ماہ نامہ

ہمدرد نونہال

ستمبر ۲۰۱۹ء

مسلسل اشاعت کا ۶۷واں سال
سن آغاز ۱۹۵۳ء

ماہنامہ ہمدرد نونہال

ستمبر ۲۰۱۹ء
محرم الحرام ۱۴۴۱ ہجری
شمارہ نمبر ۹ - جلد ۶۷

صدرِ مجلس
سعدیہ راشد

مدیر اعلا
محمد سلیم مغل

معاون مدیر
سلیم فرخی

کمپوزنگ
محمد اکرم خان

۱۶ویں منزل، بحریہ ٹاؤن ٹاور، طارق روڈ،
پی ای سی ایچ ایس بلاک ۲، کراچی۔
فون: 021-38244000, 38241611 Ext. 1611
ای میل: hfp@hamdardfoundation.org
ویب سائٹ: www.hamdardfoundation.org
ویب سائٹ ادارۂ سعید: www.hakimsaid.info
فیس بک پیج: /hamdardfoundationpakistan

پبلشر سعدیہ راشد نے ماس پرنٹرز کراچی سے چھپوا کر
ادارۂ مطبوعات ہمدرد، ناظم آباد کراچی سے شائع کیا۔

نونہالانِ پاکستان کی تعلیم و تربیت اور صحت و مسرت کے لیے
ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان کے زیر اہتمام شائع کیا گیا۔

بہ یاد

شہید پاکستان حکیم محمد سعید
بانی سرپرست

مسعود احمد برکاتی مرحوم
مدیر اوّل

قرآنی آیات اور احادیث نبویؐ پر مبنی صفحات کا احترام ہم سب پر فرض ہے۔

قیمت خاص نمبر ۸۰ رُپے
قیمت عام شمارہ ۵۰ رُپے
سالانہ (رجسٹری سے) ۸۰۰ رُپے
سالانہ (عام ڈاک سے) ۶۰۰ رُپے
سالانہ (دفتر سے دستی لینے پر) ۵۰۰ رُپے
سالانہ (غیر ممالک سے) ۷۰ امریکی ڈالر

ڈاک خانے کے نئے قاعدوں کی وجہ سے آئندہ ہمدرد نونہال کی قیمت صرف بینک
ڈرافٹ یا منی آرڈر کی صورت میں قابلِ قبول ہوگی۔ VPP بھیجنا ممکن نہ ہوگا۔

اس شمارے میں

کیا اور کہاں ؟

ستمبر ۲۰۱۹ء

۶	جاگو جگاؤ	شہید حکیم محمد سعید
۷	پہلی بات	سلیم مغل
۹	حمد	سید ضمیر جعفری
۱۰	روشن خیالات	ننھے گل چیں
۱۳	عظیم قائد	محمد مسعود
۱۶	میجر عزیز بھٹی شہید	رانا محمد شاہد
۲۱	سام ہاؤس	جاوید بسام
۲۷	صفائی (نظم)	شریف شیوہ
۲۸	جادوگر	راؤ جی
۳۲	نونہال مشاعرہ	خوش ذوق نونہال
۳۳	شین شرارت	.....
۳۸	پاکستان کا مطلب کیا؟ (نظم)	محمد اصغر سودائی
۴۰	زمین سے آگے	ظفر شمیم
۴۴	نونہال مصور	ننھے فن کار
۴۷	تتلیاں	ڈاکٹر سیدہ صدف اکبر

میجر عزیز بھٹی شہید 14

سام ہاؤس 21

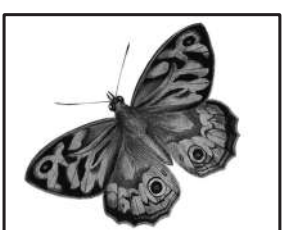

تتلیاں 47

۵۰	آگے بڑھو (نظم)	محمد شفیق اعوان
۵۱	شرفو کی کہانی	میرزا ادیب
۵۹	نام پوچھیے؟	سلیم فرخی
۶۴	لنچ بکس	ادارہ
۶۵	ہانامی	اقبال برما
۶۷	چچا شیخی باز	حبیب اشرف صبوحی
۷۳	مجاہد وطن ہوں میں (نظم)	اے۔ کیو۔ شاؔد
۷۴	لاس انجیلس - سفرنامہ امریکا	سلیم مغل
۸۰	بغداد کا تاجر	ناصر محمود فرہاؔد
۸۷	بلاعنوان انعامی کہانی	بنتِ محمد اقبال
۹۲	معلومات افزا ۲۸۳	سلیم فرخی
۹۷	نونہال ادیب	
۱۰۹	علم دریچے	نکتہ داں نونہال
۱۱۳	اشاعت سے معذرت	ادارہ
۱۱۴	آدھی ملاقات	نونہال پڑھنے والے
۱۱۶	جوابات معلومات افزا ۲۸۱	ادارہ
۱۱۸	انعامات بلاعنوان کہانی	ادارہ
۱۲۰	نونہال لغت	ادارہ

احمد حاطب صدیقی

ننھی چڑیا

اکِ صبح ننھی چڑیا
کہتی تھی اپنی ماں سے
ماما! جو منہ اندھیرے
اُڑتی ہو تم یہاں سے
پھر لوٹ کر، پلٹ کر
آتی ہو آسماں سے
اتنے مزے کی چیزیں
لاتی ہو تم کہاں سے؟
میں بھی اُڑوں گی ماما!
کل اپنے آشیاں سے
لاؤں گی میں بھی چوگا
لاتی ہو تم جہاں سے

اُس کی یہ بات سُن کر
چڑیا نے پَر پسارے
پُھولی نہیں سمائی
ماما خوشی کے مارے
کرتی تھی پیار اُس کو
جاتی تھی صدقے، وارے
بولی کہ میری پیاری!
نازُک ہیں پَر تمھارے
ہو جائیں پَر توانا
پھر دوں گی کچھ اشارے
تم کو سکھاؤں گی تب
اُڑنے کے گُر بھی سارے

جاگو جگاؤ

نونہال دوست، شہید حکیم محمد سعید کی یاد رکھی جانے والی باتیں

مل جل کر رہنے میں جو مزہ ہے، وہ کسی چیز میں نہیں۔ جس گھر کے سب لوگ آپس میں میل محبت سے رہتے ہوں، ایک دوسرے کے کام کرتے ہوں، دکھ درد میں شریک ہوتے ہیں، کسی سے کوئی غلطی ہو جائے تو معاف کر دیتے ہوں، وہ گھر جنت ہے۔ جس گھر کے لوگوں میں محبت نہ ہو، ایک دوسرے کا خیال نہ ہو، ذرا ذرا سی بات پر اُلجھتے ہوں، کسی سے غلطی ہو جائے تو اسے معاف نہ کرتے ہوں، وہ گھر جہنم کی طرح ہے۔ ایسے گھر کا ہر فرد پریشان ہوتا ہے۔ نہ کھانے میں مزہ آتا ہے نہ پینے میں۔ اس گھر میں کسی کو سکون نصیب نہیں ہوتا۔ مسلمانوں کا گھر تو امن، چین، خیر و برکت کا گہوارہ ہوتا ہے۔ قرآن حکیم کی سورۂ الاعراف کی آیت ۱۹۹ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

''معاف کرنے کی عادت ڈالو، نیکی کی نصیحت کیے جاؤ اور جاہلوں سے نہ اُلجھو۔''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جن باتوں کا ذکر کیا ہے ان پر اگر ہم غور کریں تو ہماری موجودہ تمام تکلیفوں اور پریشانیوں کا اس میں حل موجود ہے۔ ہم اپنی غلطی پر غور کرنے کی عادت بھول چکے ہیں۔ صرف دوسروں کی غلطیاں ہی ہمیں نظر آتی ہیں اور ہم ان کو معاف نہیں کرنا چاہتے۔ ہم اپنے بھائیوں اور دوستوں کو نیکی اور بھلائی کی طرف مائل نہیں کرتے، ان کو صحیح راستہ اختیار کرنے کا مشورہ نہیں دیتے۔ اگر ہم یہ سب کرنے لگیں اور ناسمجھوں اور جاہلوں سے اُلجھنا اور ان کا طریقہ اپنا کر ان جیسے کام کرنا چھوڑ دیں تو ہم امن و راحت کی جنت میں پہنچ جائیں۔

جب بھی دوستوں سے ملو، اچھی اچھی باتیں کرو، ان کو بھلائی اور نیکی کا راستہ بتاؤ۔ تم بھی خوش رہو گے اور وہ بھی۔

ہمدرد نونہال نومبر ۱۹۸۸ء سے لیا گیا

پہلی بات

سلیم مغل

6 ستمبر 1965 کو جب دشمن پاکستان پر حملہ آور ہوا تب میں پانچویں جماعت میں پڑھتا تھا۔ جنگ کے نتیجے میں پیدا ہونے والے حالات اور ماحول نے دوسرے لوگوں کی طرح ہم بچوں کی نفسیات بھی بدل دی۔ ابلاغ کا بڑا ذریعہ ریڈیو تھا سو ریڈیو پر فوجی نغمات اور محاذ جنگ کی خبریں ہمیں بھی جذباتی کیے رکھتیں اور ہمارا بھی جی چاہتا کہ ہم سرحدوں پر جا پہنچیں۔ مجھے یقین تھا کہ میں اپنی غلیل سے دشمن فوجیوں کے سر پھاڑنے میں ضرور کامیاب ہو جاؤں گا۔ اس مقصد کے لیے میں نے مٹی کی بہت سی گولیاں بھی بنالی تھیں۔ ریڈیو پر دفاعی فنڈ کا اعلان ہوا تو میں نے اپنے چند ہم عمروں کو جمع کیا، ایک ٹھیلا کہیں سے حاصل کیا۔ مسجد کے مولوی صاحب کی منت سماجت کر کے مسجد کا ساؤنڈ سسٹم لیا اور ٹھیلے پر رکھ کر اپنے قصبے کی گلیوں میں عطیات کی اپیل کرتے ہوئے گشت کرنے لگا۔ میں چلا چلا کر کہہ رہا تھا ''حضرات یہ کفر اور باطل کی جنگ ہے، آپ بڑھ چڑھ کر عطیات دیں''۔ ایسے میں ایک بزرگ میرے قریب آئے اور مجھے سمجھاتے ہوئے کہنے لگے ''بیٹا! کفر اور باطل نہیں.... حق اور باطل کہو''۔ ہائے میں بھی کس قدر بچہ تھا۔ مجھے یاد ہے، ایک بزرگ قریب آئے اور اپنی قمیض اتار کر ٹھیلے پر رکھ دی اور کہا کہ میرے پاس یہی ہے اور پھر خوب روئے اور اپنے آپ کو کوسنے لگے کہ آج کے دن کے لیے میں کیوں کچھ بچا کر نہ رکھ سکا۔

مجاہد فورس کا قافلہ، جنگ عظیم دوم کے پرانے ٹرکوں میں بیٹھ کر محاذ کی طرف روانہ ہوا تو ایک معذور شخص جس کی دونوں ٹانگیں نہ تھیں ٹرک سے لٹک گیا اور بہت سے لوگ مل کر بھی اسے ٹرک سے نہ اتار پائے۔ مجھے یاد ہے ہم بچوں نے اسکول کے ہاف ٹائم میں ٹھیلوں سے چھولے اور گولا گنڈا کھانا چھوڑ دیا اور ہر روز کا جیب خرچ ایک آنہ دفاعی فنڈ میں دے دیتے۔ ایثار، قربانی اور وطن سے محبت کی ان گنت مثالیں فلم کی طرح ذہن کے پردے پر چل رہی ہیں۔ عثمان اور سلام اللہ گاؤں سے شہادت کی آرزو لے کر نکلے اور پھر واپس نہ لوٹے۔

جنگ ستمبر نے ہمارے لہو میں وطن کی محبت گھول دی۔ ہم نے اس جنگ میں یہ جانا کہ جنگ اچھی چیز تو نہیں لیکن اگر مسلط کر دی جائے تو پھر صرف بڑے ہی نہیں نونہال بھی ایثار اور قربانی کی مثالیں قائم کر سکتے ہیں۔

درخت ہمارے محسن

حمد

سید ضمیر جعفری

تیری قدرت کی لشکاریں ، تاروں کی چمکاریں
پربت تیری سوچ میں ڈوبے ، دریا تجھے پکاریں
سورج ، چاند ، ستارے تیرے ، تُو دنیا کا والی
اللہ! اللہ! اللہ! اللہ! تیری شان نرالی

گاتے پنچھی ، اُڑتی خوشبو ، رس راول نظارے
چاندی نہریں ، میٹھے میوے ، موسم پیارے پیارے
گاؤں گاؤں ، دھوپ کی چھاؤں ، کھیتوں کی ہریالی
سورج ، چاند ، ستارے تیرے ، تُو دنیا کا والی
اللہ! اللہ! اللہ! اللہ! تیری شان نرالی

خالق ، مالک ، داور ، یاور ، جگ کا پالن ہارا
عزت ، عظمت ، راحت ، قوت ، تیرا پاک دوارا
سدا پَروسا تیرا لنگر ، ساری خلق سوالی
سورج ، چاند ، ستارے تیرے ، تُو دنیا کا والی
اللہ! اللہ! اللہ! اللہ! تیری شان نرالی

پَروسا: ہندی زبان کا لفظ ہے
یعنی کھانے کا حصہ

تیری قدرت نے دل میں وہ دانش دیپ جلائے
تیرے لطف کے سائے سائے ہر محنت پھل پائے
سورج ، چاند ، ستارے تیرے ، تُو دنیا کا والی
اللہ! اللہ! اللہ! اللہ! تیری شان نرالی

روشن خیال

تجربے اور دانائی کا حاصل، علم و حکمت کی باتیں

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

جو چیز تھوڑی ہو، مگر اس سے ضرورت پوری ہو جائے وہ اس چیز سے بہتر ہے جو زیادہ ہو، مگر آدمی کو غفلت میں ڈال دے۔

رحمت علی، اٹک

حضرت ابوبکر صدیقؓ

زبان کو شکوہ کرنے سے روکو، خوشی کی زندگی عطا ہوگی۔

روبینہ ناز، رتن تلاؤ

مولانا جلال الدین رومیؒ

اگر میرا علم مجھے انسان سے محبت کرنا نہیں سکھاتا تو ایک جاہل مجھ سے ہزار درجے بہتر ہے۔

زاہرہ سلطانہ، گلشن حدید

حضرت مجدد الف ثانیؒ

مومن ہو یا کافر، کسی کی دل آزاری نہ کرو۔ کفر کے بعد یہ سب سے بڑا گناہ ہے۔

محمد معیز انصاری، کراچی

زرتشت

جو چیز خدا سے غافل کر دے، وہی دنیا ہے۔

علینہ سلیم، رحیم یار خان

مولانا محمد علی جوہر

انسان کی بے غرض خدمت کرنا، انسانیت کی معراج ہے۔

محمد عزیر اسلم، کراچی

شہید حکیم محمد سعید

تقسیم کرنے سے علم کم نہیں ہوتا۔

ظفر احمد انصاری، لاہور

واصف علی واصف

سب سے اچھا علم وہ ہے، جو دل میں اُتر جائے اور عمل سے ظاہر ہوتا ہے۔

محبوب علی، ملتان

چارلس ڈارون

احمق وہ ہے جو یہ سمجھتا ہے کہ اسے دوسرا موقع مل سکتا ہے۔

سیدہ اریبہ بتول، لیاری ٹاؤن

انگریزی کہاوت

بہترین کی اُمید رکھو اور بدترین کے لیے تیار رہو۔

ایمن شیخ، لیاری

کھانے سے پہلے اور
بیت الخلا سے آنے کے بعد

اگر صابن سے ہاتھ دھونے کی عادت اپنا لیں

تو جان لیجیے کہ آپ نے

نصف سے زیادہ بیماریوں سے نجات پالی

یاد رکھیے ہماری زیادہ تر بیماریاں

منھ کے ذریعے ہی جسم کے اندر داخل ہوتی ہیں

(ادارۂ نونہال)

Press ad

page 12

عظیم قائد

محمد مسعود

جناب محمد مسعود (مسعود کھدر پوش) جو اہم سرکاری عہدوں پر فائز رہے، قائداعظم کی اُصول پسندی کا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں:

جون ۱۹۴۷ء میں بلوچستان میں ریفرنڈم ہونے والا تھا۔ میں سندھ حکومت سے چھے ہفتے کی چھٹی لے کر کوئٹہ پہنچ گیا اور وہاں سرداروں سے مذاکرات شروع کیے کہ سرداروں ہی کو شاہی جرگے کی مٹینگ میں اس بات کا فیصلہ کرنا تھا کہ بلوچستان پاکستان میں شامل ہوگا یا انڈیا میں۔ مذاکرات کئی نازک مرحلوں سے گزر کر آخر کام یابی کی منزل تک پہنچ گئے۔ تمام رکاوٹیں سر ہو چکی تھیں۔ کانگریسی لیڈر خان عبدالصمد اچکزئی اور ان کے ساتھی مایوس ہو چکے تھے اور

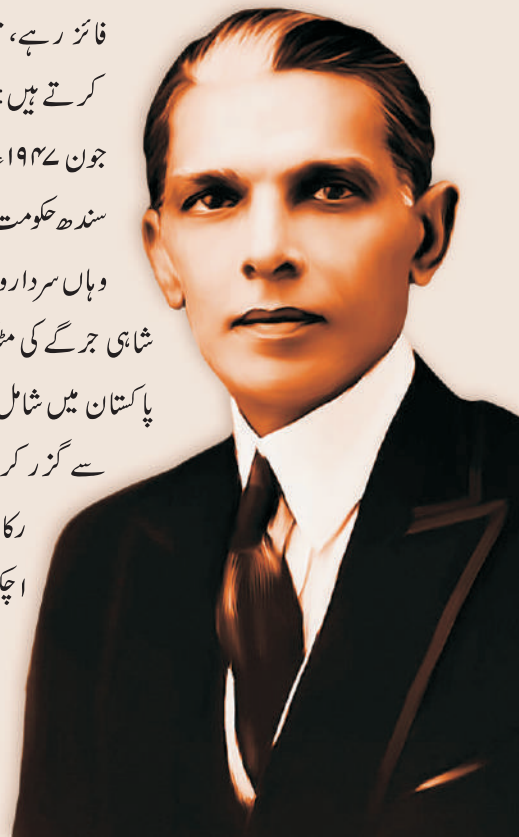

صاف نظر آ رہا تھا کہ شاہی جرگہ پاکستان کے حق میں فیصلہ دے دے گا، لیکن عین آخری مرحلے پر مخالفوں نے ایک پریشان کن چال چلی، جس سے کھیل بگڑ جانے کا خطرہ تھا۔ سرداروں کو اس بات سے ڈرا دیا گیا کہ اگر پاکستان میں شامل ہو گئے تو مالی امداد جو اس وقت دہلی کی مرکزی حکومت سے مل رہی تھی، بند ہو جائے گی اور سرداری حقوق اور مراعات بھی ختم ہو جائیں گی۔ اگر انڈیا میں رہے تو حسبِ سابق مالی امداد اور سرداری حقوق قائم رہیں گے۔

اس بات سے سردار بہت گھبرا گئے اور انھوں نے یہ مطالبہ کیا کہ قائداعظم اس بات کی گارنٹی دیں کہ پاکستان بن جانے کے بعد سرداروں کے تمام حقوق محفوظ رہیں گے اور مرکز کی طرف سے جو مالی امداد اب ملتی ہے، بدستور جاری رہے گی۔ یہ بڑا نازک مرحلہ تھا، کیوں کہ قائداعظم دہلی میں تھے اور شاہی جرگے کے اجلاس میں صرف دو دن باقی تھے۔ اتنی جلدی قائد سے بات چیت کرنا بہت مشکل تھا۔ آخر میں نے ایک ایکسپریس ٹیلی گرام کے ذریعے قائداعظم کو اطلاع دی کہ میں ٹیلی فون پر اگلے روز شام کے چار بجے ان سے ایک نہایت اہم بات کرنا چاہتا ہوں۔ چناں چہ اسی وقت فون کے ذریعے دہلی سے رابطہ ہوا۔ کوئٹہ کے ٹیلی فون محکمہ کے مسلمان عملہ نے بہت مدد کی۔ قائداعظم فون پر آ گئے اور آواز بالکل صاف تھی۔ ایسے محسوس ہوا جیسے سامنے کھڑے ہیں۔ ہیلو کے فوراً بعد سلام عرض کی اور میں نے کہا: ''قائداعظم! بلوچستان کے سردار پاکستان کے حق میں ووٹ ڈالنے پر رضا مند ہو گئے ہیں، لیکن وہ چاہتے ہیں کہ آپ انھیں گارنٹی دیں کہ ان کے جملہ حقوق محفوظ رہیں گے اور مالی امداد انھیں حسبِ سابق ملتی رہے گی۔''

قائداعظم نے پُر زور لہجے میں انگریزی میں جواب دیا:

"I can give no guarantee. Tell them, they should trust me and they should not play into the hands of my enemies."

(میں کوئی گارنٹی نہیں دے سکتا۔ان سے کہہ دو کہ وہ مجھ پر بھروسا کریں اور دشمنوں کے جھانسے میں نہ آئیں۔)

پھر قائداعظم نے مجھ سے پوچھا:''What will you tell them''(تم ان سے کیا کہو گے؟)

میں نے قائداعظم کے الفاظ دُہرائے اور ابھی آخری لفظ میرے ہونٹوں پر تھا کہ نواب جوگزئی نے میرے ہاتھ سے ٹیلی فون لے لیا اور قائداعظم سے مخاطب ہو کر کئی بار قائداعظم، قائداعظم پکارا اور ٹیلی فون رکھ دیا۔

شاہی جرگے کے سردار اُس وقت سامنے بیٹھے تھے۔نواب جوگزئی نے اُس سے مخاطب ہو کر کہا:

''میری بات ہوگئی ہے۔قائد نے کہا ہے فکر مت کرو۔''

پھر مجھ سے سرداروں نے دریافت کیا تو میں نے بھی یہی کہا کہ قائد کہتے ہیں''مجھ پر بھروسا کرو۔ دشمنوں کے جھانسے میں نہ آنا۔مجھ پر اعتبار کرو۔''

اس کے بعد کوئٹہ کے اخبارات نے شام کے ضمیمے شائع کر دیے اور قائداعظم سے ٹیلی فون پر بات چیت کی خبر چاروں طرف مشتہر کر دی۔دوسرے دن شاہی جرگے نے اتفاق رائے سے پاکستان میں شمولیت کا اعلان کر دیا۔

قائداعظم کی اس بات پر مجھے سخت حیرت ہوئی تھی کہ اتنے نازک موقع پر بھی ڈپلومیسی سے کام نہ لیا اور دوٹوک جواب دے دیا۔جس میں کسی قسم کا رکھ رکھاؤ نہ تھا۔حال آں کہ قائد کو اس بات کا علم تھا کہ کانگریسی ایجنٹ سرداروں کو اس قسم کی گارنٹی اور وعدے دے کر پھسلانے کی کوشش کر رہے تھے۔وقت کا تقاضا بھی یہی تھا کہ قائداعظم بھی کوئی سبز باغ دکھا کر وقتی فائدہ حاصل کرنے کی کوشش کرتے،لیکن انھوں نے بلا خطر صاف بات کہہ دی اور کسی قسم کی سودے بازی سے انکار کر دیا۔یہ تھا اُن کا بے نظیر کردار۔ایسے نازک وقت میں جب کہ مملکت کی بقا کا مسئلہ سامنے ہو اور صاف گوئی سے سخت نقصان کا احتمال ہو تو کون یہ جرأت کر سکتا ہے کہ سچ کا دامن تھامے رکھے۔

میجر عزیز بھٹی شہید

رانا محمد شاہد

یہ اگست ۱۹۶۵ء کے آخری دنوں کی بات ہے۔ رجمنٹل ہیڈ کوارٹر سے میجر صاحب کو ایک حکم نامہ ملا، جس میں لکھا ہوا تھا کہ ہنگامی صورتِ حال کے پیشِ نظر آپ کی چھٹیاں منسوخ کی جاتی ہیں۔ اس لیے آپ فوراً ڈیوٹی پر حاضر ہوں۔

رات کے کھانے کے دوران ملک کی ہنگامی صورتِ حال اور چھٹیاں منسوخ ہونے کا ذکر چلا تو میجر صاحب کے بڑے بیٹے نے پوچھا: ''ابا جان! کیا اب لڑائی ہوگی؟''

''ہاں بیٹا!'' میجر صاحب نے کہا: ''ہو بھی سکتی ہے، حالات روز بروز خراب ہوتے جا رہے ہیں۔''

''ابو! جنگ ہوئی تو آپ خوب بہادری سے لڑیں اور بزدلی نہ دکھائیں۔''

''ٹھیک ہے بیٹا! اگر جنگ ہوئی اور میں بہادری سے لڑتا ہوا شہید ہو جاؤں تو تم بھی آنسو نہیں بہانا۔'' یہ کہتے ہوئے میجر صاحب کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک اور اپنے وطن کے لیے کچھ کر دکھانے کا عزم اور جذبہ تھا۔

انھوں نے اپنے بیٹے کا کندھا تھپتھپایا اور مزید کہا: ''بیٹا! بہادر باپ لڑتے ہیں اور ان کے بیٹے اپنی ساری توجہ تعلیم پر صرف کرتے ہیں، تاکہ وہ بھی بڑے ہو کر بڑے کارنامے انجام دیں۔ تم بھی اپنی تعلیم کا پورا خیال رکھنا۔''

یہ محاذ جنگ پر جانے سے پہلے ایک باپ اور بیٹے کے درمیان بات چیت تھی۔ اس باپ پر وہ بیٹا ہی نہیں، بلکہ پوری قوم ہمیشہ فخر کرتی رہے گی۔ جس نے بڑی بہادری سے اپنے وطن کی حفاظت کی اور پھر اسی عظیم مقصد کے لیے شہید ہو گیا۔ قوم کے اس بہادر سپاہی کا نام میجر عزیز بھٹی شہید ہے۔

میجر عزیز بھٹی کا تعلق گجرات سے تھا۔ وہ ۶/ اگست ۱۹۲۸ء کو ہانگ کانگ میں پیدا ہوئے۔ انھیں گھر میں پیار سے راجا کہا جاتا تھا۔ بچپن میں انھیں فٹ بال، کرکٹ، ہاکی اور ٹینس سے بہت دل چسپی تھی۔ وہ ماؤتھ آرگن کے بھی شوقین تھے۔ پاک فوج میں آنے کے بعد ان کا شمار ذہین اور پھرتیلے افسران میں ہوتا تھا۔

انھوں نے اپنی عملی زندگی کا آغاز ۱۹۴۷ء میں برٹش انڈین آرمی میں بطور ائیر مین سے کیا۔ ۱۹۴۸ء میں پاک فوج میں ملازمت کے لیے درخواست دے دی۔ ۱۹۵۰ء میں انھوں نے پاک فوج میں کمیشن حاصل کیا اور پنجاب رجمنٹ کا حصہ بن گئے۔ پاکستان ملٹری اکیڈمی میں تربیت کی تکمیل پر انھوں نے ایک غیر معمولی کارنامہ بھی انجام دیا اور وہ تھا بیک وقت ''شمشیر'' اور ''نارمن گولڈ میڈل'' حاصل کرنا۔ انھوں نے یہ اعزازات اس وقت کے وزیر اعظم لیاقت علی خان سے

وصول کیے۔ ۱۹۵۶ء میں آپ اعلافوجی تربیت کے لیے کینیڈا چلے گئے۔

میجر عزیز بھٹی نے ۱۹۶۵ء کی جنگ میں لاہور کو کچھ اس طرح سے ناقابلِ تسخیر بنایا کہ دشمن کے سارے خواب ملیا میٹ ہوگئے۔ ۶ ستمبر کی صبح، پوری قوم کے لیے حیران کن اور تکلیف دہ تھی کہ رات کے اندھیرے میں دشمن نے بزدلی سے پاکستان پر حملہ کر دیا۔ لاہور میں باٹا پور، بیدیاں، قصور اور پھر بی آر بی نہر بھی محاذِ جنگ کا حصہ بنے۔ میجر عزیز بھٹی ۱۹۶۵ء میں لاہور سیکٹر کے برکی کے علاقے میں ایک کمپنی کی کمان سنبھالے ہوئے تھے۔ اس کمپنی کی دو پلاٹون بی آر بی نہر کے کنارے متعین تھیں۔ ایک پلاٹون جس میں میجر عزیز بھٹی موجود تھے، جب کہ باقی پلاٹون نہر کے دوسرے کنارے پر متعین تھی۔ دشمن کی بڑھتی ہوئی پیش قدمی کے پیشِ نظر میجر عزیز بھٹی نے نہر کے اگلے کنارے پر موجود پلاٹون کے ساتھ آگے بڑھنے کا فیصلہ کیا۔ ایک ایسے وقت میں جب دشمن اپنے توپ خانے اور ٹینکوں کی مدد سے پوری شدت سے تابڑ توڑ حملے کر رہا تھا، آگے بڑھنے کے لیے آہنی عزم اور حوصلے کی ضرورت تھی۔ میجر عزیز بھٹی اور ان کے ساتھیوں نے عزم و حوصلے اور بہادری کے ساتھ لڑائی جاری رکھی اور اپنی پوزیشنز پر ڈٹے رہے۔

دشمن نے ۹ اور ۱۰ ستمبر کی درمیانی شب اس سیکٹر پر بھرپور حملے کے لیے اپنی پوری بٹالین جھونک دی۔ ایسی صورتِ حال میں پاک فوج کے افسران نے میجر عزیز بھٹی کو نہر کے دوسرے کنارے پر واپس آنے کا حکم دیا۔ چناں چہ جب آپ راستہ بناتے ہوئے دوسرے کنارے پر پہنچے تو دشمن اس مقام پر قبضہ کر چکا تھا۔ اس صورتِ حال میں میجر عزیز بھٹی نے نہایت عقل مندی اور حوصلے سے اپنے جوانوں کی قیادت کی اور دشمن پر بھرپور حملہ کر کے اسے اس علاقے سے نکال باہر کیا اور اس وقت تک دشمن کے سامنے فولادی دیوار بنے رہے جب تک کہ ان کے باقی تمام جوان اور گاڑیاں نہر کے پار نہ پہنچ گئیں۔

انھوں نے دوبارہ اپنے جوانوں کو منظّم کیا۔ اس دوران نہ صرف انھوں نے دشمن کی مزید پیش قدمی کو روکے رکھا، بلکہ ان کی بھرپور فائرنگ کا جواب بھی دیتے رہے۔ میجر عزیز بھٹی مسلسل چھے دن اور چھے راتیں دشمن کے سامنے سیسہ پلائی دیوار کی مانند ڈٹے رہے۔

۱۲ر ستمبر کی صبح انھوں نے وضو کے بعد نماز ادا کی اور ان کے ایک ساتھی نے کہا کہ میں نہر سے پانی لا دیتا ہوں۔ آپ غسل کرلیں۔

میجر عزیز بھٹی کی اپنے جوان سے محبت دیکھیے۔ انھوں نے کہا: ''نہیں، نہر سے پانی لانا خطرناک ہے۔ بس اسی پانی سے سر دھلا دیں۔ چناں چہ سر دھویا اور کئی دنوں کے بعد بالوں میں کنگھی کی۔

انھوں نے صبح کی چائے صوبیدار غلام محمد کے ساتھ پی۔ صوبیدار غلام محمد ہاتھ کی لکیروں سے واقفیت رکھتے تھے۔ میجر عزیز بھٹی نے ان سے پوچھا: ''میرے ہاتھ میں شہادت کی لکیر ہے یا نہیں؟''

غلام محمد نے ان کا ہاتھ دیکھا اور کچھ دیر بعد کہا: ''شہادت کی لکیر تو ہے، مگر اندازہ نہیں ہو رہا کہ کب شہادت ہوگی۔''

اس پر میجر عزیز بھٹی نے صوبیدار غلام محمد سے کہا: ''آپ کو اندازہ نہیں ہو رہا، مگر مجھے لگتا ہے کہ میری شہادت بہت قریب ہے۔'' ان کی اس بات سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ غیر شعوری طور پر کسی طویل سفر کے لیے تیاری کر رہے تھے۔

اس کے بعد انھوں نے اپنے اردلی سے نئی وردی لانے کا کہا۔ جب وہ واپس آیا تو وردی دیکھ کر بولے: ''یہ میری وردی تو نہیں ہے۔''

اردلی نے کہا: ''سر! آپ کی وردی لانے کے لیے فیلڈ ہیڈ کوارٹر گیا تھا، مگر وردی نہیں ملی۔ وہاں ایک افسر نے اپنی وردی آپ کے لیے بھیج دی ہے۔''

میجر عزیز بھٹی ہلکا سا مسکرائے اور کہا: ''یہ وردی واپس لے جاؤ، وردی اور کفن اپنا اپنا ہی اچھا لگتا ہے۔''

تھوڑی دیر بعد دشمن کی نقل وحمل کی بہتر طریقے سے جائزہ لینے کے لیے وہ نہر کے اوپر آئے اور وہاں دوربین سے مشاہدہ کرنے لگے۔ حوالدار فیض علی پیچھے موجود تھے۔ دشمن کی طرف سے فائرنگ کا سلسلہ جاری تھا۔ انھوں نے خطرناک صورتِ حال کے پیشِ نظر میجر عزیز بھٹی سے کہا:

''سر! آپ نیچے آجایئے۔''

میجر عزیز بھٹی کے لفاظ تھے: ''نیچے سے مشاہدہ نہیں ہوسکتا۔ یہاں خطرہ ضرور ہے، مگر زندگی و موت تو اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اگر وطن کی حفاظت کے لیے شہادت مقدر میں ہے تو میری خوش قسمتی ہے۔''

اتنے میں برکی سے نہر کی طرف چند ٹینک بڑھتے نظر آئے۔ ان ٹینکوں کے پیچھے پیدل فوج بھی تھی۔ میجر عزیز بھٹی نے فائرنگ کا حکم دیا اور مسلسل دوربین سے دشمن کی نقل وحرکت کا جائزہ لیتے رہے۔ اسی دوران جب وہ اپنے جوانوں کو فائر کا حکم دے رہے تھے، ٹینک سے فائر کیا ہوا ایک گولہ انھیں آ لگا۔ وہ منھ کے بل زمین پر گرے۔ ساتھی ان کی طرف بڑھے، مگر وہ جامِ شہادت نوش کر چکے تھے۔

قوم کے اس بہادر بیٹے نے نہ صرف اپنے کہنے کے مطابق دشمن کے ارادوں کو خاک میں ملا دیا، بلکہ بہادری سے لڑتا ہوا جامِ شہادت بھی نوش کر گیا اور یوں میجر عزیز بھٹی کا نام تاریخ میں زندہ جاوید ہوگیا۔ حکومتِ پاکستان نے اس عظیم قربانی پر انھیں ملک کا اعلا ترین اعزاز ''نشانِ حیدر'' دیا۔

سام ہاؤس

جاوید بسام

بلاقی دور دراز قصبوں میں سامان پہنچانے کا کام کرتا تھا۔ ایک دن وہ ہل ٹاؤن کے پاس سے گزر رہا تھا کہ ایک آدمی نے رکنے کا شارہ کیا۔ اسے قریبی قصبے میں جانا تھا۔ بلاقی نے اسے بٹھا لیا۔ آدمی مقررہ جگہ پر اُترا تو بلاقی آگے روانہ ہو گیا۔ جب وہ گودام پر پہنچا، جہاں اسے اپنا سامان اُتارنا تھا تو ایک اٹیچی کیس نظر آیا۔ اس نے اٹیچی کیس کھولا، تاکہ اس آدمی کا کوئی پتا وغیرہ مل سکے، مگر اس میں صرف ایک پرانی کتاب تھی۔ اس نے سوچا، چلو یہ تو معلوم ہے، وہ کہاں سے سوار ہوا تھا۔

بلاقی جب ہل ٹاؤن پہنچا تو رات ہوگئی تھی۔ اس نے ایک ہوٹل والے کو آدمی کا حلیہ بتایا۔ وہ بولا: ''تم شاید پروفیسر سام کو پوچھ رہے ہو۔ وہ پہاڑی پر رہتے ہیں، لیکن تم رات میں وہاں نہیں جاسکتے۔ راستہ بہت خراب ہے۔''

بلاقی نے رات ہوٹل میں گزرانے کا فیصلہ کیا۔ کھانا کھا کر وہ جلد ہی سو گیا۔ آدھی رات کو اچانک کسی کھٹکے سے اس کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے ہلکی روشنی میں ایک سائے کو کھڑکی سے باہر کودتے دیکھا۔ وہ گھبرا کر اُٹھا اور بتی جلائی تو اٹیچی کیس غائب تھا۔ وہ کھڑکی میں آیا، مگر دور دور تک کوئی نہیں تھا۔ صبح اس نے ہوٹل والے کو بتایا۔ وہ بولا کہ اس قصبے میں چوریاں بہت کم ہوتی ہیں۔ بلاقی نے اس سے راستہ پوچھا اور پروفیسر سام سے ملنے چل دیا۔

پہاڑی راستہ بہت خراب تھا، جگہ جگہ گہرے کھڈے تھے۔ بلاقی کو اوپر ایک بہت پرانا اور بڑا گھر نظر آیا، جس پر سام ہاؤس لکھا تھا۔ اس نے دروازے پر دستک دی۔ ایک لڑکے نے دروازہ کھولا۔ اس کی کمر میں کُب نکلا ہوا تھا۔

بلاقی نے کہا: ''میں پروفیسر سے ملنا چاہتا ہوں۔''

لڑکا کچھ کہے بغیر واپس پلٹ گیا۔ کچھ دیر بعد پروفیسر صاحب دروازے پر آئے۔ وہ بلاقی کو دیکھ کر چونکے اور بولے: ''ہم شاید پہلے مل چکے ہیں؟''

''جی ہاں، میں بلاقی کوچوان ہوں۔ دو دن پہلے آپ نے میرے ساتھ سفر کیا تھا۔''

''اچھا، اچھا تم میاں بلاقی ہو۔ میں نے تمھاری بہت تعریف سنی ہے۔ آؤ، اندر آجاؤ۔''

وہ اسے بیٹھک میں لے گیا۔ دونوں کرسیوں پر بیٹھ گئے۔

بلاقی نے انھیں بتایا: ''آپ اپنا اٹیچی کیس میری گاڑی میں بھول گئے تھے۔''

''ہاں، کیا تم وہ لے آئے؟''

''نہیں۔'' پھر بلاقی نے پورا واقعہ سنا دیا۔ پروفیسر سوچ میں پڑ گئے۔

اچانک بلاقی کو دروازے کے پاس کسی کا سایہ نظر آیا۔

''کوئی ہماری باتیں سن رہا ہے۔'' بلاقی نے مشکوک انداز میں کہا۔

''میرا ملازم پال ہوگا۔ پال! اندر آ جاؤ۔'' پروفیسر نے آواز لگائی۔ آہٹ ہوئی اور ملازم اندر آ گیا۔

پروفیسر نے کہا: ''چائے لے آؤ۔''

''نہیں رہنے دیں۔ میں چلتا ہوں۔'' بلاقی نے معذرت کی، مگر پروفیسر نے زبردستی اسے روک لیا۔

ملازم جلد چائے لے آیا۔ جب وہ چلا گیا تو پروفیسر بولا: ''پال سن لیتا ہے، مگر بول نہیں سکتا۔''

''بول نہیں سکتا..... بول نہیں سکتا۔'' اچانک راہداری میں کوئی چلّایا۔

بلاقی نے چونک کر پروفیسر کو دیکھا۔

''یہ میرا پالتو توتا ہے۔ اچھا میں تم سے ایک اہم مسئلے پر بات کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے تمھاری بہت تعریف سنی ہے۔''

''جی میں تو ایک معمولی کوچوان ہوں۔'' بلاقی کھسیانا ہو کر بولا۔

''میں نے تمھارے کارنامے اخباروں میں پڑھے ہیں۔ تم روحوں کے بارے میں کیا جانتے ہو؟''

''بس اتنا کہ ہر جان دار میں ایک روح ہوتی ہے۔''

''ہاں، مگر روحیں اکثر انتقام لینے دنیا میں واپس آ جاتی ہیں۔''

''ضرور آتی ہوں گی، مگر ایک غریب کوچوان اس بارے میں کیا کر سکتا ہے۔'' بلاقی نے معصومیت سے کہا۔

''آج کل ایک روح یہاں آ رہی ہے۔ ہم رات کو اسے محسوس کرتے ہیں۔'' پروفیسر پُراسرار لہجے میں بولے۔ بلاقی حیرت سے اسے دیکھنے لگا۔

''میں تمھیں پوری بات بتاتا ہوں۔ کچھ دنوں پہلے میں نے ایک آدمی کے خلاف گواہی دی تھی۔ اس نے قتل کیا تھا۔ میں وقوعہ سے کچھ دور تھا۔ جب دوسرے دن میں نے اخبار میں خبر پڑھی تو میرے ضمیر نے خاموش رہنا گوارا نہیں کیا۔ میں پولیس کے پاس چلا گیا۔ اسے گرفتار کرلیا گیا۔ پھر ثبوت بھی مل گئے۔ وہ مجھے غصیلی نظروں سے گھور رہا تھا۔ خیر اسے پھانسی دے دی گئی۔ پھر ایک دن مجھے وہ جلاد ملا، جس نے اسے پھانسی دی تھی۔ وہ میرا واقف تھا۔ اس نے بتایا کہ قاتل آخری وقت میں بار بار یہ کہہ رہا تھا کہ میں پروفیسر کو نہیں چھوڑوں گا۔ میں نے جلاد کی بات کو اہمیت نہیں دی، لیکن کچھ دنوں بعد یہاں عجیب وغریب واقعات پیش آنے لگے۔''

''نہیں چھوڑوں، نہیں چھوڑوں گا۔'' راہداری میں توتا چلّایا۔

''کیا میں یہ توتا دیکھ سکتا ہوں؟'' بلاقی نے پوچھا۔

''ہاں ضرور۔'' پروفیسر نے کہا۔

دونوں اُٹھ کر باہر آئے، جہاں ایک سرمئی رنگ کا بڑا سا توتا پنجرے میں بند تھا۔ بلاقی کو دیکھ کر وہ بولا: ''لو وہ آ گئے، لو وہ آ گئے!''

بلاقی کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی۔ وہ بولا: ''آپ کا توتا بہت دل چسپ ہے۔ یہ جو بولتا ہے، اس کا کوئی مقصد بھی ہوتا ہے؟''

پروفیسر نے کہا: ''نہیں، بس جو سن لے، وہ بولنے لگتا ہے۔''

دونوں کچھ دیر توتے کے پاس رکے رہے، پھر کمرے میں آ گئے۔ پروفیسر نے کہا: ''میں چاہتا ہوں، تم آج رات یہاں گزارو، تاکہ اپنی آنکھوں سے دیکھ سکو کہ یہاں کیا ہو رہا ہے۔''

''میرا رکنا بے کار ہے۔ میں اس بارے میں کچھ نہیں جانتا۔''

''میری بات مانو۔ میں تمھیں اس کا معاوضہ دوں گا۔''

''نہیں شکریہ، میں چلتا ہوں۔'' یہ کہہ کر بلاقی اُٹھا اور دروازے کی طرف بڑھا۔ ابھی وہ دو قدم ہی چلا تھا کہ اچانک اس کی گردن پر زور سے کوئی چیز لگی۔ وہ چکرا کر گرا تو اسے پروفیسر کے ہاتھ میں ایک ڈنڈا نظر آیا، پھر وہ بے ہوش ہو گیا۔

بلاقی کو ہوش آیا تو وہ ایک اندھیرے کمرے میں قید تھا۔ وہ کراہتا ہوا اُٹھا۔ اسی دوران آہٹ ہوئی اور کھڑکی میں پروفیسر کا چہرہ نظر آیا۔

پروفیسر نے کہا: ''میاں بلاقی! میں معافی چاہتا ہوں۔ مجھے یہ مجبوراً کرنا پڑا۔''

''آخر آپ چاہتے کیا ہیں؟'' بلاقی نے کم زور آواز میں پوچھا۔

''صرف ایک رات یہاں رک جاؤ۔''

''اچھا ٹھیک ہے۔ مجھے سر درد کی دوا دیں۔''

''ہاں، ابھی دیتا ہوں۔'' پروفیسر بولے اور دوا لے آئے۔

''یہ بات مجھے ہمیشہ یاد رہے گی کہ ایک عجیب توتے کے مالک نے مجھے بے قصور اندھیرے کمرے میں قید کر دیا تھا۔''

''تم فکر نہ کرو۔ میں اس کا ازالہ کر دوں گا۔''

دوا کھا کر بلاقی کو نیند آ گئی اور وہ شام تک سوتا رہا۔

شام کو پروفیسر نے دروازہ کھولا۔ وہ شرمندہ نظر آ رہے تھے۔ انھوں نے کہا: ''مجھے معاف کر دینا دوست! آؤ، میں نے تمھارے لیے بہت اچھی چائے بنوائی ہے۔''

دونوں نشست گاہ میں آ بیٹھے۔ چائے واقعی بہت مزے کی تھی۔ بلاقی کا موڈ ٹھیک ہو گیا۔

جلد ہی رات ہو گئی۔ انھوں نے کھانا کھایا، پھر بیٹھ کر اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے لگے۔ جوں ہی رات کے بارے بجے اچانک سرد ہوا کا جھونکا آیا۔ بلاقی چونک اُٹھا۔ پروفیسر پُر خیال نظروں

سے بلاقی کو دیکھ رہا تھا۔ دفعتاً راہداری میں آہٹ ہوئی اور ہر طرف عجیب سی خوشبو پھیل گئی۔ ایسا لگ رہا تھا، کوئی چیز زمین پر گھسیٹی جا رہی ہے۔ پروفیسر نے بلاقی کا ہاتھ پکڑا اور اُٹھ کھڑا ہوا۔ ہوا سائیں سائیں کر رہی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے طوفان آنے والا ہے۔ پھر شاخوں کے چٹخنے اور درختوں کے گرنے کی آوازیں آنے لگیں۔ دونوں نے کھڑکی سے جھانکا۔ دیواروں پر سائے لہرا رہے تھے۔ بلب کی روشنی دھیمی ہوگئی تھی اور توتا پھڑ پھڑا کر زور زور سے چیخ رہا تھا: ''لو وہ آ گئے، لو وہ آ گئے۔''

پروفیسر نے ایک دیوار کی طرف اشارہ کیا۔ بلاقی نے دیکھا تو اُچھل پڑا۔

دیوار پر نیلے رنگ کا ایک ہیولا چل رہا تھا۔ اس کا نچلا دھڑ غائب تھا۔ بلاقی گھبرا کر پیچھے ہٹ گیا۔ پھر دونوں کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ بلاقی نے گہری سانس لے کر سرگوشی کی: ''آپ کا ملازم پال کہاں ہے؟''

''اپنے کمرے میں ہوگا۔'' پروفیسر نے بتایا۔

بلاقی نے کہا: ''چل کر دیکھیں۔''

دونوں دوسرے دروازے سے نکلے اور ملازم کے کمرے میں گئے۔ کمرا خالی تھا۔

(جاری ہے)

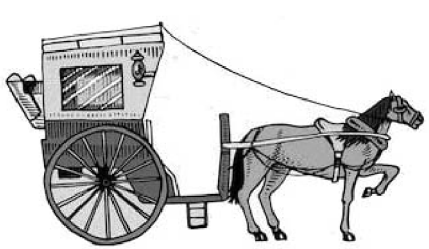

صفائی

شریف شیوہ

ہیں بڑے فائدے صفائی کے
اس میں جلوے ہیں خوش نمائی کے

دور رہتی ہے اس سے بیماری
تن درستی کی ہے یہی چابی

خود کو رکھتا ہے صاف ، جو انسان
بن کے رہتا ہے ہر نظر کی جان

گھر ہو ، اسکول یا گلی بستی
رکھو صورت ہر ایک کی اُجلی

گرد آلود ہو اگر ماحول
اس سے آتا ہے زندگی میں جھول

کوڑا گھر کا جو ڈھانپ کر رکھیں
تن درستی کا پھر مزہ چکھیں

تم نے پھینکے جو راہ میں چھلکے
زخمی ہوجائے گا کوئی گر کے

دانت ہوں صاف اور کٹے ناخن
ہاتھ منھ دھونے کو رکھو صابن

داغ دھبوں سے پاک ہوں کپڑے
ختم ہوں گندگی کے سب جھگڑے

جلد سوجاؤ اور اُٹھو جلدی
دن ہوں گرمی کے یا رہے سردی

جادوگر

جنہوں نے سائنس کے منتر سے دنیا کو بدل ڈالا

راؤ جی

''آپ کا بیٹا کند ذہن، احمق اور گاؤدی ہے۔ نہ یہ پڑھ سکتا ہے اور نہ میں اسے پڑھا سکتا ہوں۔''
اسکول ماسٹر نے بیزاری سے ایڈیسن اور پھر اس کی ماں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
''آپ بالکل غلط بات کر رہے ہیں۔ میرا بیٹا کند ذہن نہیں اور نہ احمق ہے۔ میں ماں ہوں اور اپنے بچے کو جانتی ہوں یہ بہت ذہین اور سمجھ دار ہے۔ میں اسے خود پڑھاؤں گی۔''

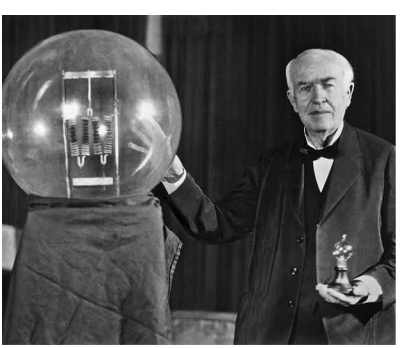
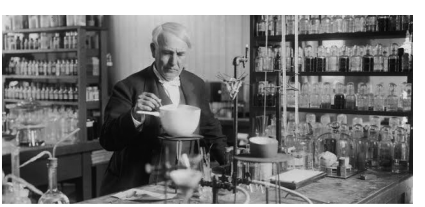
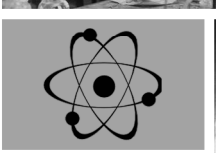

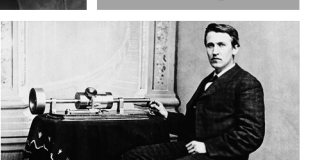

تھامس ایڈیسن کی ماں نینسی ایڈیسن، جو خود ایک ٹیچر تھی، نے اسکول ماسٹر سے پُر اعتماد لہجے میں کہا اور ایڈیسن کا ہاتھ پکڑ کر کلاس روم سے نکل گئی۔

غربت کے سبب ایڈیسن کی باقاعدہ تعلیم نہ ہوسکی۔ اس نے جو کچھ پڑھا اور سیکھا وہ اپنی ماں سے سیکھا اور پڑھا۔ گزر بسر کے لیے وہ اخبار بیچ کر روزی کماتا اور اپنی ماں کی مالی مدد کرتا تھا۔ وہ پیدائشی سائنس داں تھا۔ اسے بچپن سے ہی نئے نئے تجربات کرنے کا شوق تھا۔ وہ ریلوے اسٹیشن کے قریب رہتا تھا۔ جہاں ریل کی بوگیاں کھڑی رہتی تھیں۔ اس نے ایک خالی ڈبے کو اپنی تجربہ گاہ بنالیا تھا۔ اس میں نت نئے سائنسی تجربات کرتا رہتا تھا۔ اخبار بیچ کر وہ جو پیسے کماتا، ان میں سے آدھے ان تجربات پر خرچ کر دیتا تھا۔ اسے سائنسی تجربات سے جنون کی حد تک لگاؤ تھا۔

ایک دن ایسا ہوا کہ وہ جب ایک سائنسی تجربہ کر رہا تھا ریل کی اس بوگی میں آگ لگ گئی۔ ریلوے کا عملہ آگ بجھانے لگا۔ آگ کا سن کر اسٹیشن ماسٹر بھی وہاں پہنچ گیا۔ اسے جب پتا چلا کہ ایڈیسن کی وجہ سے ڈبے میں آگ لگی تو اس نے غصے سے ایک زوردار مکا ایڈیسن کے کان پر مارا، جس کے سبب اسے عمر بھر ایک کان سے سنائی نہیں دیتا تھا، لیکن اس نے اس کم زوری کو اپنی طاقت بنالیا۔ اس کا کہنا تھا کہ وہ ''اب شور وغل میں بھی سکون سے کام کر لیتا ہے۔''

ایڈیسن کا پورا نام تھامس الوا ایڈیسن تھا۔ وہ 1847 میں پیدا ہوا اور 1931 میں دنیا سے رخصت ہوگیا۔ اس نے ایک ہزار کے قریب ایجادات کیں جو روزمرہ کے کاموں میں انسانوں کے کام آتی ہیں۔ اس طرح دنیا کا ہر انسان اس کا احسان مند ہے۔ اس کے ایجاد کردہ بجلی کے بلب سے دنیا روشن ہوگئی۔ اس کی ایجادات سے امریکی معیشت کو بے شمار فوائد حاصل ہوئے۔ اس کی ایجادات سے اس کا خاندان دنیا میں چوٹی کے پانچ بڑے صنعت کار و دولت مند خاندانوں میں شامل رہتا ہے۔

ایڈیسن کا ہم عصر اٹلی کا ایک سائنس داں گولی ایلمو مارکونی (1874-1937) تھا جس نے ریڈیو ایجاد کیا۔ وہ ریڈیائی لہروں کو پکڑ کر انہیں آواز (Sound) میں منتقل کرنے کے تجربات کرتا رہتا تھا اور لوگوں کو بھی سنواتا تھا۔ لوگوں نے مشہور کر دیا کہ مارکونی شیطانی آوازوں کو ایک بکس (ریڈیو سیٹ) میں قید کرتا ہے۔ اس الزام سے وہ ڈر گیا کہ کہیں اس کا بھی انجام گلیلیو جیسا نہ ہو اور اسے بھی قید و بند کی صعوبتیں برداشت نہ کرنی پڑیں۔ وہ بھاگ کر امریکا پہنچ گیا۔ وہ انگلستان بھی گیا اور اپنے تجربات کرتا رہا۔ مارکونی کی ایجاد کا زیادہ تر استعمال بحری جہازوں اور ٹیلی گراف کے شعبے میں ہوا ہے۔

امریکا میں مارکونی کسی کو نہیں جانتا تھا۔ اس نے ایڈیسن کا نام سن رکھا تھا۔ چناں چہ پتا پوچھتا پوچھتا وہ ایڈیسن کے گھر پہنچ گیا۔ ایڈیسن اس سے مل کر بہت خوش ہوا۔ دونوں سائنس دانوں نے مل کر کھانا کھایا اور اس کے بعد سائنسی بحث و مباحثے میں اُلجھ گئے۔ جب آدھی رات ہوگئی تو مارکونی نے ایڈیسن سے کہا: ''بھئی ایڈیسن! اب میں بہت تھک گیا ہوں۔ ایسا کرو کہ تم اب اپنے گھر جاؤ۔ باقی باتیں کل کریں گے۔''

''اچھا تو میں جاتا ہوں۔'' یہ کہہ کر ایڈیسن کمرے سے نکل گیا، لان عبور کر کے جب وہ بنگلے کے گیٹ پر پہنچا تو چوکیدار نے پوچھا: ''سر! کہاں جا رہے ہیں؟''

''میں اپنے گھر جا رہا ہوں۔'' ایڈیسن نے جواب دیا۔

''گھر، کیسا گھر؟ سر! یہی تو آپ کا گھر ہے۔''

''ارے ہاں! ہاں، یہی تو میرا گھر ہے۔'' ایڈیسن نے ہتھیلی ماتھے پر مارتے ہوئے کہا اور اُلٹے پاؤں اپنے کمرے میں آیا اور مارکونی سے کہنے لگا: ''مارکونی! یہ تو میرا گھر ہے، تم اپنے گھر جاؤ!''

''میں اپنے گھر جاؤں، لیکن میرا تو یہاں کوئی گھر نہیں ہے۔'' مارکونی اُداس لہجے میں بولا۔

ایڈیسن خوش دلی سے بولا: ''کوئی بات نہیں تو اسے ہی اپنا گھر سمجھو اور جب تک چاہو رہو۔''
مارکونی کافی عرصے ایڈیسن کے ساتھ رہا۔ جب اس نے محسوس کرلیا تھا کہ وہاں حالات سازگار ہوگئے تو واپس اپنے وطن اٹلی چلا گیا۔

فرانس کا مشہور سائنس داں آندرے میری ایمپیئر (Andre - Marie Ampere) شہنشاہ نپولین بونا پارٹ کے زمانے میں تھا۔ وہ فادر اوف الیکٹریسٹی اینڈ میگناٹزم (Electromagnetism) کہلاتا ہے۔ ہم آج کل ایمپیئر کا لفظ بہت استعمال کرتے ہیں۔ ایمپیئر دراصل برقی رو کی پیائش کے لیے بنیادی اکائی کا نام ہے اور اسی سائنسداں کے نام سے منسوب ہے۔

آندرے میری ایمپیئر کسی کانفرنس میں لیکچر دے رہے تھے۔ لیکچر دے کر واپس آئے تو انھوں نے دیکھا کہ ان کی سیٹ پر کوئی اور شخص آکر بیٹھ گیا ہے۔ انھوں نے اس شخص سے کہا کہ آپ کہاں آکر بیٹھ گئے یہ تو میری نشست ہے۔ بادشاہ کے نائبین نے کہا کہ ''یہ شہنشاہ نپولین ہیں آپ ان سے کیسے بات کر رہے ہیں؟'' لیکن بادشاہ نے ان کی بات کا بُرا نہیں مانا، وہ فوراً نشست سے کھڑا ہوگیا اور اس نے اس عظیم سائنس داں کو عزت سے اس پر بٹھا دیا۔

یہ ہوتا ہے ''علم اور عالم کا احترام'' جس پر شہید حکیم محمد سعید بہت زور دیتے تھے اور کسی معاشرے کی ترقی کے لیے لازمی قرار دیتے تھے۔ مسلمانوں میں فروغ سائنس کے لیے اُٹھنے والی آوازوں میں سب سے طاقت ور آواز سرسید احمد خاں کے بعد حکیم محمد سعید کی تھی جو فرماتے تھے: ''سائنس پڑھو، آگے بڑھو اور ملک وقوم کو ترقی دو۔''

نونہال مشاعرہ

موضوع: ''پھول''

''پھول'' کے موضوع پر ملنے والے اشعار سے اندازہ ہوا کہ ہمارے نونہال کتنا اچھا ادبی ذوق رکھتے ہیں۔ آیندہ ماہ کے لیے نیا موضوع ہوگا ''روشنی''۔
آپ ہمیں اس موضوع پہ ایسا شعر بھجوائیں جس سے آپ کے عمدہ ذوق، پسند کے معیار اور شائستگی و اخلاق کا اندازہ ہوتا ہو۔

(ادارہ)

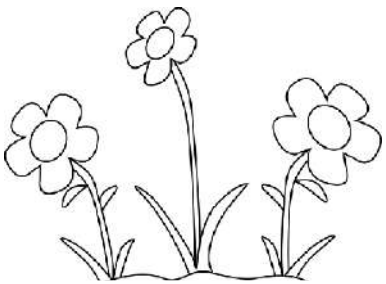

پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر
مردِ ناداں پر کلامِ نرم و نازک بے اثر
شاعر : علامہ اقبال (تحریم خان، نارتھ کراچی)

غنچوں کے مسکرانے پہ کہتے ہیں ہنس کے پھول
اپنا کرو خیال ، ہماری تو کٹ گئی
شاعر : شاد عظیم آبادی (نسیم احمد، فیصل آباد)

گل دستۂ معنی کو نئے ڈھنگ سے باندھوں
اک پھول کا مضموں ہو تو سو رنگ سے باندھوں
شاعر : میر ببر علی انیسؔ (زنیرہ آصف، لاہور)

سیر کی ، خوب پھرے ، پھول چنے ، شاد رہے
باغ باں ، جاتے ہیں ، گلشن ترا آباد رہے
شاعر : سید محمد خاں رند (امجد خان، سکھر)

کلی کوئی جہاں پر کِھل رہی ہے
وہیں اک پھول بھی مرجھا رہا ہے
شاعر : جگر مرادآبادی (زبیر امجد، ملتان)

حقیقت چھپ نہیں سکتی بناوٹ کے اُصولوں سے
کہ خوشبو آ نہیں سکتی کبھی کاغذ کے پھولوں سے
شاعر: نامعلوم (حبیب نوید، راولپنڈی)

نہ پھول تھے، نہ چمن تھا، نہ آشیانہ تھا
چُھٹے اسیر سے تو بدلا ہوا زمانہ تھا
شاعر: مرزا سلامت علی دبیرؔ (عبداللطیف، لاڑکانہ)

دعا بہار کی مانگی تو اتنے پھول کھلے
کہیں جگہ نہ ملی میرے آشیانے کو
شاعر : نامعلوم (شمائلہ ذیشان، ملیر)

شین شرارت

طنز و مزاح کے اس نئے سلسلے میں لطائف، مزاحیہ واقعات، مزاحیہ اشعار، دلچسپ کارٹون یا تصاویر بھی بھجوائی جاسکتی ہیں

ایک عورت آدھی رات کو قبر پر بیٹھی تھی۔ وہاں سے ایک شخص گزرا اور پوچھا: ''تمھیں ڈر نہیں لگتا؟''

عورت بولی: ''لو جی! اس میں ڈرنے والی کیا بات ہے۔ اندر گرمی لگ رہی تھی، اس لیے باہر آ بیٹھی ہوں۔''

محمد سعد سردار، کراچی

ایک آدمی نے دوسرے سے پوچھا: ''کیا آپ کے موزوں میں سوراخ ہے؟''

دوسرے نے کہا: ''نہیں تو۔''

پہلے نے پوچھا: ''پھر آپ اسے پہنتے کیسے ہیں؟''

حافظ محمد اسلم، کراچی

ڈاکٹر نے ایک زخمی شخص سے کہا: ''جب آپ نے دیکھا کہ کار ایک عورت چلا رہی ہے تو آپ کو سڑک سے دور ہٹ جانا چاہیے تھا۔''

زخمی: ''سڑک کہاں ڈاکٹر صاحب! میں تو پارک میں لیٹا ہوا تھا۔''

جویریہ فاطمہ، حیدرآباد

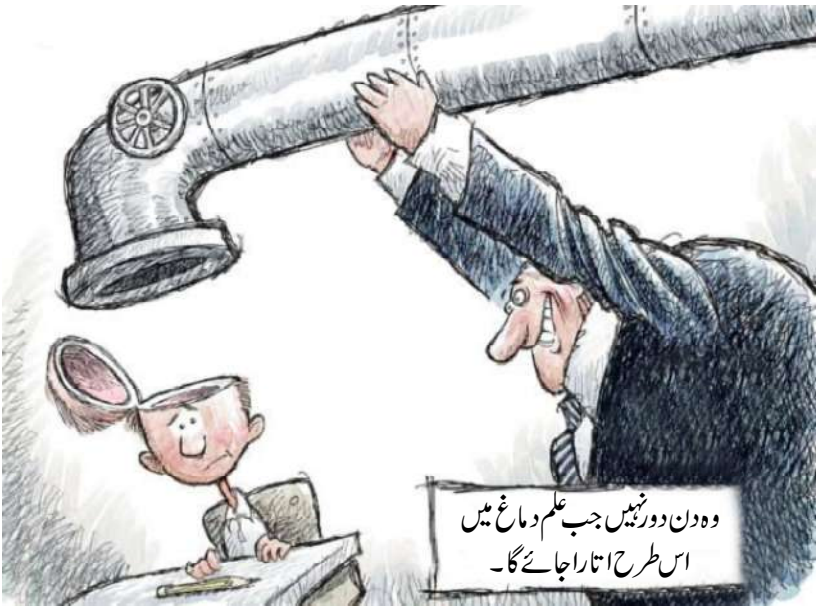

آدمی: ''مجھے قمیص کے لیے کپڑا دکھاؤ۔''

دوکان دار: ''پلین دکھاؤں؟''

آدمی: ''نہیں، ہیلی کاپٹر دکھاؤ۔''

حلیمہ صابر اعوان، ہری پور

ملبوسات کی دوکان پر سیلز گرل ایک خاتون کو مختلف قسم کے ملبوسات دکھا دکھا کر تھک گئی۔ خاتون کے سامنے کپڑوں کا انبار لگ گیا، مگر انھیں کوئی لباس پسند نہ آیا۔ آخر میں سیلز گرل تھکے تھکے لہجے میں بولی: ''مجھے افسوس ہے آپ کو کوئی ڈریس پسند نہیں آیا۔''

''کوئی بات نہیں'' خاتون نے تسلی دینے والے انداز میں کہا: ''تم دل چھوٹا نہ کرو۔ میں تو ویسے بھی سبزی خریدنے کے ارادے سے گھر سے نکلی تھی۔'' سیدہ ماہم، کراچی

محمد سعد سردار، کراچی

استاد: (شاگرد سے) ''تکیے کو جملے میں استعمال کرو۔''

شاگرد: ''امی نے کہا تھا، دس منٹ تک یہ کام ختم کرلو۔''

خنسہ محمد عقیل شاہ، کراچی

دو آدمی اپنی بیویوں کی تعریف کر رہے تھے۔ایک کہنے لگا:''میری بیوی ہر موضوع پر بول سکتی ہے۔''

دوسرے نے کہا:'' میری بیوی تو بغیر موضوع کے بھی بولنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔''

عائشہ رمضان، جگہ نامعلوم

دو بچے سائنسی نمائش دیکھنے گئے۔ایک بچے نے دوسرے کو بتایا:'' دیکھو! یہاں لکھا ہے کہ آکسیجن دوسو سال پہلے دریافت کی گئی تھی۔''

دوسرے بچے نے حیرت سے پوچھا:'تو پھر دوسو سال پہلے لوگ کس طرح سانس لیا کرتے تھے؟''

نامعلوم

ایک امریکی نے اپنے دوست سے کہا:''اچھا ہوا جو میں چین میں پیدا نہیں ہوا۔''

''کیوں؟''

''مجھے چینی زبان نہیں آتی۔''

نامعلوم

ایک صاحب کی کار کی اگلی لائٹیں خراب ہوگئیں۔انھوں نے اپنی کار ایک دوسری کار کے پیچھے لگادی تاکہ اس کی روشنی میں چلتے رہیں۔کچھ دور جاکر وہ کار اچانک رک گئی۔وہ صاحب زور زور سے ہارن بجانے لگے اور چلّا کر کہا:'' آپ گاڑی آگے کیوں نہیں بڑھا رہے ہیں؟''

اگلی کار والے نے غصے سے کہا:'' آگے کیسے بڑھاؤں، گاڑی تو میرے گیراج میں کھڑی ہے۔''

نامعلوم

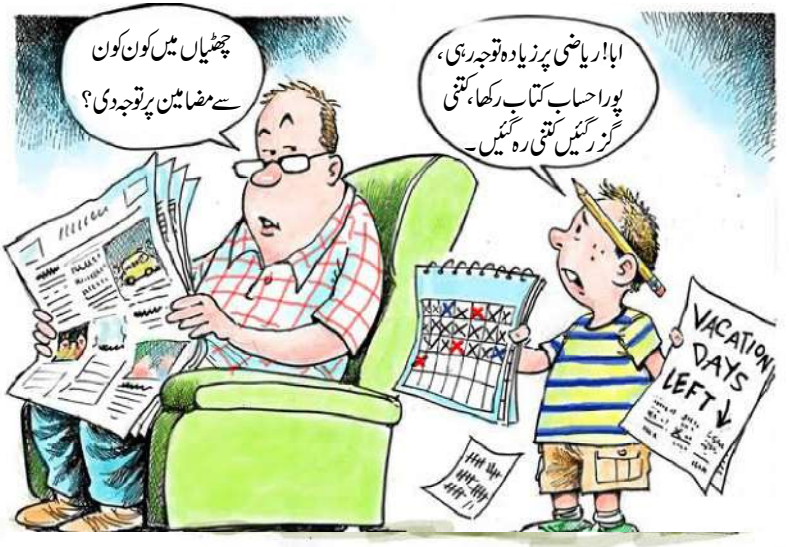
ابا! ریاضی پر زیادہ توجہ رہی، پورا حساب کتاب رکھا، کتنی گزر گئیں کتنی رہ گئیں۔
چھٹیاں میں کون کون سے مضامین پر توجہ دی؟
VACATION DAYS LEFT

خرم (محسن سے): ''تمھارے جوتے بہت اچھے ہیں۔ کب خریدے؟''

محسن: ''یہ پچھلی سے پچھلی عید پر خریدے تھے۔ دو مرتبہ ان کی مرمت کرائی۔ تین مرتبہ انھیں مسجد میں تبدیل کیا۔ یہی وجہ ہے کہ یہ اب تک نئے ہیں۔''

علاءالدین، شکار پور

حسام نے اپنے دوست کو بتایا: ''میں جب دادا جان کی بندوق دیکھتا ہوں تو میرا دل لڑائی پر جانے کو چاہتا ہے۔''

دوست نے پوچھا: ''تو پھر جاتے کیوں نہیں؟''

حسام بولا: ''بس دادا جان کی کٹی ہوئی ٹانگ یاد آجاتی ہے۔''

شیر نواز گل، ارمڑ پایاں

افسر نے ایک ملازم کو ڈانٹتے ہوئے کہا: ''کیا تم نے مجھے بالکل ہی بے وقوف سمجھ رکھا ہے؟''

ملازم نے ڈرتے ہوئے کہا: ''جناب! میں تو آج ہی ملازمت پر آیا ہوں، اتنی جلدی کیسے بتا سکتا ہوں۔''

رافع اکرم، لیاقت آباد

مشہور ادیب اور فلسفی جارج برنارڈ شا سے اس کے ایک پرستار نے مصافحہ کرتے ہوئے کہا: ''

آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔''

برنارڈ شا مذاق کے موڈ میں تھے، بولے:

''مگر مجھے تو آپ سے مل کر خوشی نہیں ہوئی۔''

وہ صاحب بھی مذاق کو سمجھ گئے، بولے:

''آپ بھی میری طرح ذرا سا جھوٹ بول لیتے تو آپ کا کیا بگڑ جاتا؟''۔

علینہ سلیم، رحیم یار خان

بیوی: ''آج آپ دوپہر کو ہی دفتر سے گھر آ گئے، خیریت تو ہے؟''

شوہر: ''آج میرا افسر بہت غصے میں تھا۔ فائل میز پر پٹخ کر بولا، جہنم میں جاؤ۔''

بیوی: ''پھر آپ نے کیا کیا؟''

شوہر: ''کیا کرتا، عمل کیا اور فوراً یہاں آ گیا۔''

محمد قیوم، اسلام آباد

بازار میں ایک بچہ اپنی ماں سے بچھڑ گیا۔ وہ مارکیٹ کے چوکیدار کے پاس پہنچا اور پوچھا: ''کیا آپ نے میری امی کو میرے بغیر جاتے دیکھا ہے؟''۔

عبدالرحمان غوری، عمرکوٹ

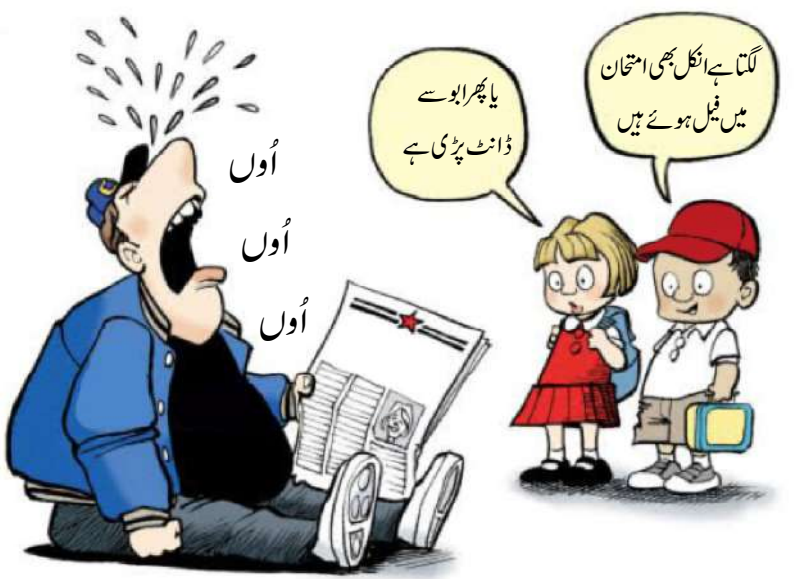

پاکستان کا مطلب کیا؟ لَا اِلٰہ الّا اللہ

۱۹۴۶ء کے صوبائی الیکشن کے دوران میں پنجاب گورنمنٹ نے ایک آرڈیننس کے ذریعہ خدا کے نام پر پاکستان کے لیے ووٹ مانگنے کو ممنوع قرار دیا۔ خداوندانِ حکومت اس حقیقت سے لاعلم تھے کہ جب تک مسلمان کی رگوں میں غیرت وحمیت کا خون کھولتا رہے گا اور اُس کی نگاہوں میں خالد وطارق کے کارنامے گھومتے رہیں گے اور جب تک اُس کے کانوں میں سازِ سرمدی کی آواز آتی رہے گی اور اُس کا دل نورِ حقیقی کا جلوہ گاہ بنا رہے گا اُس وقت تک اُس کو خدا کا نام لے کر پاکستان کے لیے کسی جدوجہد سے کوئی طاقت نہ روک سکے گی۔ نظم ''پاکستان کا مطلب کیا'' انہی مندرجہ بالا تاثرات کے تحت قلم بند کی گئی ہے۔ (شاعر: محمد اصغر سودائی سیالکوٹی)

چھوڑ تعلق داری چھوڑ — اُٹھ محمود ! بتوں کو توڑ
جاگ ! اللہ سے رشتہ جوڑ — غیراللہ کا نام مٹا

پاکستان کا مطلب کیا .... لَا اِلٰہ الّا اللہ

جرات کی تصویر ہے تُو — ہمتِ عالم گیر ہے تُو
ہستی کی تعمیر ہے تُو — آپ اپنی تقدیر بنا

پاکستان کا مطلب کیا .... لَا اِلٰہ الّا اللہ

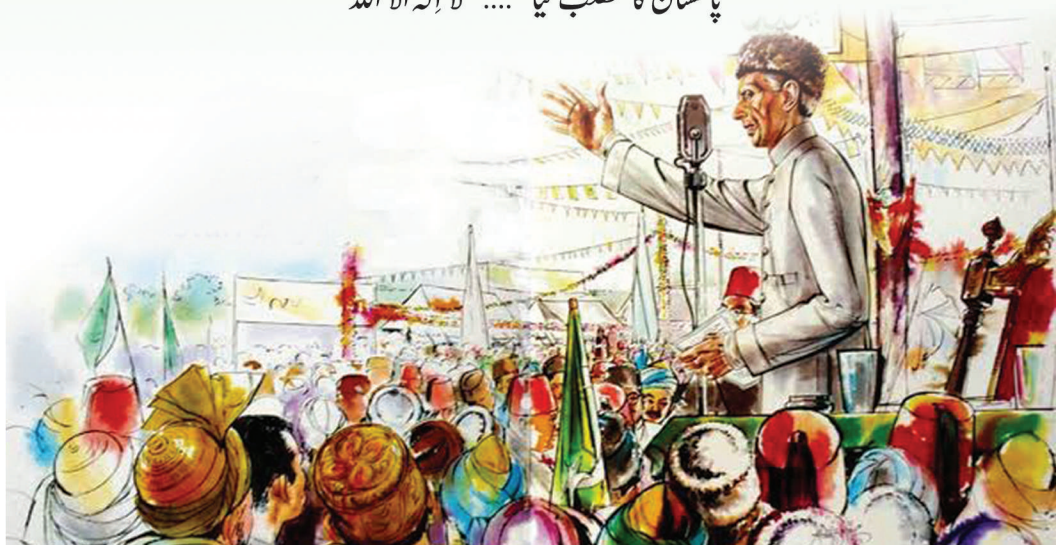

تجھ میں خالد کا ہے لہو　　تجھ میں طارق کی ہے نمو
شیر کے بیٹے ! شیر ہے تو　　شیر ہو اور میدان میں آ

پاکستان کا مطلب کیا .... لَا اِلٰہ الاّ اللہ

شب ظلمت میں گزاری ہے　　اُٹھ وقتِ بیداری ہے
جنگ شجاعت جاری ہے　　آتش و آئین سے لڑجا

پاکستان کا مطلب کیا .... لَا اِلٰہ الاّ اللہ

تیغِ دو دم ہاتھوں میں اٹھا　　سر پر کفن تُو باندھ کے آ
آ غازی! میدن میں آ　　تخت ملے گا یا تختا

پاکستان کا مطلب کیا .... لَا اِلٰہ الاّ اللہ

نغموں کا اعجاز یہی　　نعرۂ سوز و ساز یہی
وقت کی ہے آواز یہی　　وقت کی آواز سُنا

پاکستان کا مطلب کیا .... لَا اِلٰہ الاّ اللہ

پنجابی ہو یا افغان　　مل جانا ہی ہے ایمان
لے کے رہیں گے پاکستان　　حکم نبیؐ ، منشائے خدا

پاکستان کا مطلب کیا .... لَا اِلٰہ الاّ اللہ

تحریک پاکستان کو اس کی نظریاتی شناخت عطا کرنے والی یہ خوب صورت نظم برادر عقیل عباس جعفری کی تحقیق کا حاصل ہے۔

زمین سے آگے

ظفر شمیم

میک میک : اکیسویں صدی کا آغاز سے ہی انسان فلکیاتی علم کی دنیا میں تیزی سے آگے بڑھتا جارہا ہے۔۲۰۰۴ء تک نظامِ شمسی کے سیاروں کی تعداد ۱۳ تک پہنچ گئی تو ماہرین کو خدشہ ہوا کہ اس طرح نئی دریافتوں سے نظامِ شمسی کے سیاروں کی تعداد بڑھتی چلی جائے گی اور ان کا شمار کرنا بھی انتہائی دشوار ہوجائے گا۔لہٰذا خلائی ماہرین کو سیارے کی نئی تعریف مرتب کرنی پڑی، جس کے تحت وہ جسم جو گول دائرے میں سورج کے گرد گھوم رہا ہو، وہ سیارہ کہلائے گا۔ لمبے مدار کی گردش والے سیاروں کو اس فہرست سے جب نکالا گیا تو پلوٹو سیارے کی حیثیت بھی یکسر ختم ہوگئی۔۲۰۰۴ء میں ہی نظامِ شمسی میں بارہویں نمبر پر ایک سیارے ''میک میک'' (MAKE MAKE) کی دیارفت ہوئی جس کا ایک دن 22.5 گھنٹے کا ہے۔اس سیار، پر زہریلی گیسوں کا وجود بہت بڑے پیمانے پر ٹھوس پتھریلی حالت میں پایا جاتا ہے۔ سیارہ عطارد کی طرح یہ وہ واحد سیارہ ہے جس کا کوئی چاند نہیں ہے۔ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ جب اس سیارے کا ایک سال مکمل ہوتا ہے تو ہمارے زمین پر ۳۰۵ برس گزر چکے ہوتے ہیں۔

تتلی کہکشاں : دنیا کی سب سے بڑی خلائی دوربین ہبل نے لاکھوں کی تعداد میں چاند، ستارے، سیارے، کہکشائیں اور دیگر بہت سے اجسامِ فلکی دریافت کیے ہیں۔ ایسی ہی ایک انکشافاتی دریافت گزشتہ سال ہوئی جب ۵۰۰,۷نوری برس کے فاصلے پر واقع تتلی جیسی ایک کہکشاں ہبل کی نظر میں آئی۔ کائنات کے انتہائی فاصلے پر جگمگاتی یہ کہکشاں بالکل تتلی کی طرح اپنے پنکھ پھیلائے ہوئے ہے۔ یہ پھیلاؤ کھربوں ملین میل سے بھی زیادہ ہے۔ اس کہکشاں میں کھربوں ستارے، سیارے اور فلکی اجسام موجود ہیں۔ خاص طور پر کائناتی گیسوں کا وجود ستاروں کے انمول جھرمٹ میں بڑی اہمیت کا حامل ہیں۔ خلائی سائنس داں ''کین سیم بیچ'' (Ken Sembach) نے تتلی کہکشاں کے بہت سے ستاروں کا مشاہدہ کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اس کہکشاں کے بعض ستارے اتنے بڑے ہیں کہ جن کے سامنے ہمارا سورج محض ایک سیب کے برابر ہوگا۔ ان کے مطابق یہ کہکشاں ۱۳ء۷ارب سالوں سے روشن ہے۔

ستاروں کا جھرمٹ :

بے شمار ستاروں کا یکجا جھرمٹ کہکشاں کہلاتی ہیں۔ ہمارے نظامِ شمسی میں ۱۰ ہزار سے زائد کہکشاں موجود ہیں۔ایکسرے جیسی شعاعیں خارج کرتی یہ کہکشاں ''NGC 1398'' ہے جو کچھ عرصے قبل دڑیافت ہوئی ہے۔ کروڑوں ستاروں کا مجموعہ یہ کہکشاں امریکا میں ایریزونا یونی ورسٹی کے ماہر فلکیات ''Nick Deverevx'' نے دریافت کی ہے جو ہمارے نظامِ شمسی سے ۱۳۰ نوری سال کے ناقابلِ عبور فاصلے پر واقع ہے۔

سیٹلائٹ : زمین سے اوپر خلا میں تیرتا ہوا سیٹلائٹ (مصنوعی سیارہ) کمپیوٹر، انٹرنیٹ اور موبائل سے متعلق پروگراموں کو ایک سے دوسری جگہ منتقل کرنے میں بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔ یہ امریکی سیٹلائٹ ''ٹیفلون'' (TEFLON) ہے جو زمین کی سطح سے ۴۸۵ میل بلندی پر زمین کے گرد چکر لگا رہا ہے۔ سونے سے منہگی دھات اریڈیم سے بنا ہوا یہ سیٹلائٹ انٹرنیٹ کے پروگراموں کو دنیا بھر میں پھیلانے کے لیے بنایا گیا ہے۔

Press Ad

Page 43

نونہال مصوّر

محمد راہب، کوٹری

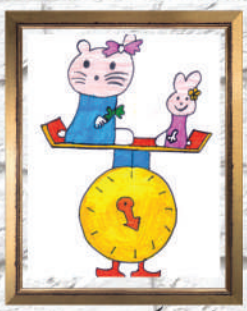

اُمیمہ، کوٹ غلام محمد

تحریم امین، کراچی

امبر شبیر، کراچی

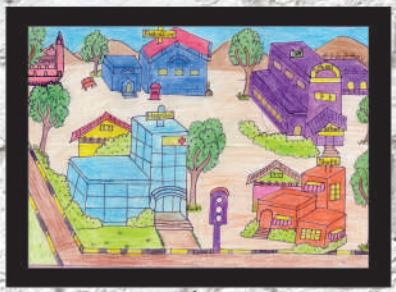

سید محمد احمد، کراچی

عبیرہ طاہر، حویلیاں

اسریٰ جاوید، کراچی

سیدہ فاطمہ شعیب، کراچی

آمنہ امین، کراچی

اسریٰ جاوید، کراچی

فیضان، کوٹری

احمد رضا، کوٹری

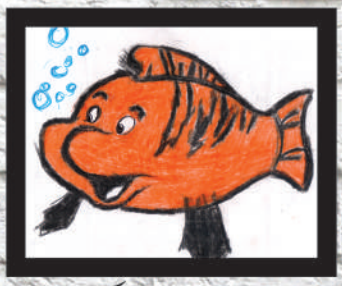

مہرین فاطمہ، سکھر

آمنہ بختاور، کراچی

Press Ad

Page 46

ڈاکٹر سیدہ صدف اکبر

تتلیاں

تتلیاں اللہ تعالیٰ کی بے حد خوب صورت تخلیق ہیں، جب ہم ان کو اُڑتے دیکھتے ہیں تو بے اختیار انھیں چھو لینے کو دل چاہتا ہے۔ خالقِ کائنات کی اس خوب صورت تخلیق یعنی تتلیوں کا عمومی وزن تقریباً دو گلاب کے پنکھڑیوں کے برابر ہوتا ہے اور

جب یہ انڈے سے باہر نکلتی ہیں تو اس وقت ان کا وزن تقریباً نہ ہونے کے برابر ہوتا ہے۔ تتلیوں کے جسم میں ہر جگہ حساس بال موجود ہوتے ہیں یا اس بات کو یوں سمجھ لیں کہ ان کا پورا جسم ان حساس بالوں سے ڈھکا ہوتا ہے۔

تتلیوں کے جسم میں چھے جوڑے پاؤں اور ایک جوڑا اینٹینا موجود ہوتے ہیں، جن سے یہ سونگھنے کا

کام لیتی ہیں ۔ان کے انٹینا اور جسم کے دوسرے حصوں پر حسی اعضاء موجود ہوتے ہیں جس کے باعث یہ اپنی خوراک کا ذائقہ معلوم کر سکتے ہیں۔

تتلیوں کے کان نہیں ہوتے ہیں یہ اپنے نازک پَروں کے ذریعے ہی آواز کی لہروں کو محسوس کرتی ہیں۔ان کی آنکھیں تقریباً چھے ہزار عدسوں پر مشتمل ہوتی ہیں جو نہ صرف ان کی حرکات کو کنٹرول کرنے میں مددگار ثابت ہوتی ہیں، بلکہ پھولوں اور دوسری تتلیوں میں موجود رنگوں کو بھی دیکھنے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔تتلیوں کے جسم میں منھ کے بجائے ایک سونڈ نما عضو ہوتا ہے جس کو پروبوسس کہا جاتا ہے اور جس کی مدد سے یہ پھولوں سے اپنی خوراک حاصل کرتی ہیں۔

اس کے علاوہ تتلیوں کے دو پر جو ہمیں نظر آتے ہیں اور جن میں بہت سارے خوب صورت رنگ موجود ہوتے ہیں ،ان پَروں میں جوڑ بھی ہوتے ہیں جو دو اگلی جانب اور دو پچھلی جانب ہوتے ہیں۔تتلی کے پَروں میں موجود خوب صورت رنگ دراصل اس کے پَروں میں موجود چھوٹے چھوٹے چھلکوں کی وجہ سے ہوتے ہیں جو آپس میں مل کر یہ خوب صورت ڈیزائن بناتے ہیں ان کے

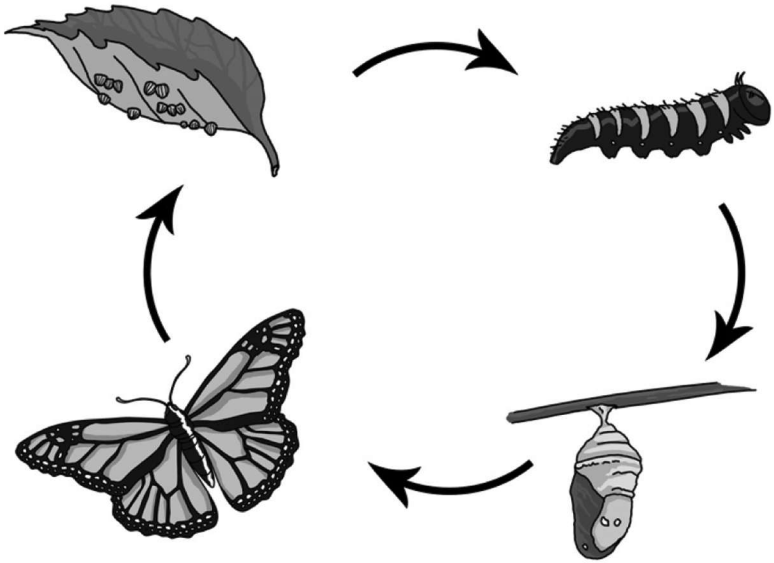

یہ پَر ان کے لیے کان کا کام بھی کرتے ہیں جو ان کو اپنے اردگرد کے ماحول سے باخبر رکھتے ہیں۔

تتلیوں کا دورِ حیات عموماً چار مراحل پر مشتمل ہوتا ہے۔ پہلا مرحلہ انڈوں کا ہوتا ہے۔ تتلیاں کسی بھی پودے یا درخت پر اپنے انڈے دیتی ہیں اور پھر دوسرے مرحلے میں ان انڈوں سے لاروا نکلتا ہے۔ اس کے بعد تیسرے مرحلے میں پیوپا میں منتقلی کا عمل ہوتا ہے۔ چوتھے اور آخری مرحلے میں یہ پیوپا ایک مکمل بالغ تتلی کا روپ دھار لیتا ہے جو خوب صورت رنگوں میں ہمیں اپنے اطراف میں اُڑتی نظر آتی ہیں۔

تتلیوں میں خود کو مختلف دشمنوں اور اپنے اردگرد کے ماحول میں موجود مختلف خطروں سے خود کو بچانے کے لیے اپنے ماحول میں ہی ڈھل جانے کی صلاحیت بھی موجود ہوتی ہے، جسے کیموفلاج کہتے ہیں۔ اس طرح تتلیاں مختلف پتوں، لکڑیوں، پتھروں اور درختوں کے رنگوں میں ڈھل کر ان کی ہی شکل اور رنگ اختیار کر کے خود کو اپنے دشمنوں سے محفوظ کر لیتی ہیں۔

آگے بڑھو

محمد شفیق اعوان

قدم سے ملا کر قدم تم چلو
ہو جیسے بھی ممکن تم آگے بڑھو
اسی میں تمھارے لیے بہتری
تدبر سے ہر کام کرتے رہو
بھلائی کا رستہ کٹھن ہے ، مگر
بُرائی کے رستے سے بچتے رہو
پڑھائی سے دامن چھڑانا نہیں
لگن سے صبح و شام پڑھتے رہو
تمھیں اپنی منزل ملے گی ضرور
تمنا مگر اس کی کرتے رہو

شرفو کی کہانی

میرزا ادیب

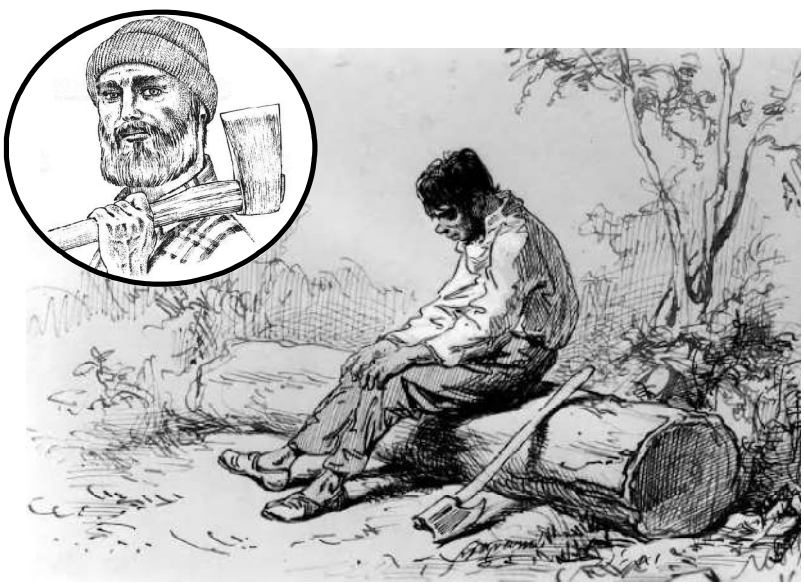

وہ ایک لکڑہارا تھا۔ ساری عمر اس نے جنگلوں میں جا کر لکڑیاں کاٹ کر انھیں بیچا تھا اور اپنی اس محنت سے جنگل سے کچھ دور ایک چھوٹا سا مکان بنوایا تھا، جس میں وہ، اس کی بیوی اور جوان بیٹا رہتا تھا۔ بیوی کا نام نادی تھا اور بیٹے کا شرفو۔ تینوں آرام اور سکون سے زندگی بسر کر رہے تھے۔ گھر کی گزر بسر لکڑہارے کی آمدنی سے ہوتی تھی۔ بیوی ہانڈی روٹی کرتی تھی اور بیٹا گھر کے چھوٹے چھوٹے کام کرتا تھا۔

لکڑہارا بوڑھا ہو گیا تھا۔ بڑھاپے کی وجہ سے اس میں پہلے جیسی طاقت نہیں رہی تھی۔ وہ آئے دن

بیمار ہی رہتا تھا، مگر اسے کوئی ایسی پریشانی نہیں تھی۔ سمجھتا تھا کہ میرا شرفو اب بچہ نہیں رہا۔ آسانی سے گھر کی ذمے داریاں سنبھال سکتا ہے۔ شرفو کی ماں کا بھی یہی خیال تھا، اس لیے اسے بھی کسی قسم کی فکر نہیں تھی۔

ایک صبح لکڑہارا جاگا تو اس نے محسوس کیا کہ بڑا کم زور ہو گیا ہے۔ جنگل میں جا کر لکڑیاں کاٹنا اس کے لیے مشکل ہو رہا ہے۔ اس کا بیٹا صبح ناشتے سے فارغ ہو چکا تھا اور اس بات پر حیران ہو رہا تھا کہ اس کا باپ معمول کے مطابق صبح سویرے گھر سے نکلا کیوں نہیں۔ چارپائی پر لیٹا کیوں ہے؟

لکڑہارا سمجھ گیا کہ اس کا بیٹا کیا سوچ رہا ہے۔ اس نے شرفو کو اشارے سے اپنے پاس بلایا اور پیار سے بولا: ''شرفو بیٹا!''

''جی، ابا جی!''

''دیکھو بیٹا! اب اپنے گھر کی ذمے داری تمھیں سنبھالنا ہوگی۔ میں بوڑھا ہو گیا ہوں، بیمار بھی ہوں۔''

''تو فرمایئے ابا جی!'' شرفو نے پوچھا۔

''بیٹا! جو کام میں نے ساری عمر کیا ہے، وہ اب تم کرو۔ لکڑیاں کاٹنا آسان کام نہیں ہے، مگر تم ہمت والے اور طاقت ور ہو۔ شروع شروع میں یہ کام ذرا مشکل لگے گا۔ پھر رفتہ رفتہ آسان ہو جائے گا۔ میں تمھیں برابر مشورے دیتا رہوں گا، جو تمھارے لیے مفید ہوں گے، سمجھ گئے بیٹا!''

شرفو نے ہاں میں سر ہلا دیا۔

''شاباش بیٹا! مجھے تم سے یہی امید تھی۔ شوق سے کام کرو گے تو ڈھیر سارے پیسے کما لو گے۔''

شرفو کی ماں پاس ہی کھڑی یہ گفتگو سن رہی تھی۔ شرفو کے باپ نے اس کی طرف دیکھ کر کہا: ''نادی! میرا کلہاڑا لے آؤ۔''

نادی اندر سے کلہاڑا لے آئی۔

''بیٹا! یہ ہمارا ورثہ ہے۔ اس کی حفاظت کرتے رہنا، کیوں کہ اس کے ذریعے سے ہی تو ایک لکڑہارا درخت سے لکڑیاں کاٹتا ہے۔''

یہ کہتے ہی لکڑہارا چارپائی سے اٹھ بیٹھا۔ اس نے کلہاڑا اٹھا کر شرفو کے کندھے پر رکھ دیا اور اسے بتانے لگا کہ اچھے پیڑ کہاں کہاں ہیں۔ کتنی لکڑیاں ہر روز کاٹنی ہوں گی اور انھیں کس طرح گٹھا بنا کر سر پر اٹھا کر شہر میں وہاں لے جانا ہوگا، جس جگہ لکڑیاں بیچی جاتی ہیں، لکڑہارے نے اسے اس جگہ کا نام بھی بتا دیا۔

شرفو بڑے شوق سے باپ کی باتیں سن رہا تھا۔ اس کا یہ شوق دیکھ کر اس کے ماں باپ دونوں بہت خوش تھے۔

جب لکڑہارے نے وہ سب کچھ بتا دیا، جو وہ اپنے بیٹے کو بتانا چاہتا تھا تو کہنے لگا: ''لو شرفو! آج سے کام شروع کر دو۔''

شرفو کی ماں نے بیٹے کو ڈھیروں دعائیں دیں اور شرفو کلہاڑا کندھے سے لگائے اپنے گھر سے نکل گیا۔ جنگل کا راستہ وہ اچھی طرح جانتا تھا۔ ابھی سورج طلوع نہیں ہوا تھا کہ وہ باپ کی بتائی ہوئی جگہ پر پہنچ گیا۔ بیسیوں پیڑ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر ایک قطار میں کھڑے تھے۔ اس کے باپ نے بتایا تھا کہ پہلے درخت کی شاخیں جھکی ہوئی ہیں، ان شاخوں کو کاٹنا آسان ہے، پہلے یہی شاخیں کاٹنا۔

وہ ایک لمبی جھکی ہوئی شاخ کو کاٹنے کی کوشش کر رہا تھا کہ اچانک اس کی نظر شاخ کے اس مقام پر پڑی، جہاں سے یہ درخت سے پھوٹی تھیں۔ اس نے دیکھا کہ وہاں چڑیوں نے ایک گھونسلا بنا رکھا ہے۔ اس نے دو تین بچے بھی اس گھونسلے میں دیکھ لیے تھے۔ یہ گھونسلا دیکھ کر فوراً اس کے ذہن میں یہ سوال اٹھا کہ اگر میں نے یہ شاخ کاٹی تو کیا گھونسلا تباہ نہیں ہو جائے گا؟

اس نے اپنے سوال کا خود جواب دیا: ''بالکل تباہ ہو جائے گا اور وہ بچے جو اس گھونسلے میں پرورش

پار ہے ہیں، نیچے گر کر مر جائیں گے اور ان کے ماں باپ کو بڑا دکھ ہوگا۔''

اس نے کلہاڑا اس شاخ کو کاٹنے کے لیے اٹھایا ہی تھا کہ یکا یک اس کا ہاتھ رک گیا۔

وہ آہستہ سے بولا: ''نہیں، میں یہ ظلم نہیں کر سکتا۔''

اور وہ اس پیڑ کے سائے میں بیٹھ گیا۔

کئی باتیں اس کے ذہن میں آ گئیں۔ میرے باپ نے لکڑیاں کاٹنے کے لیے بھیجا ہے۔ اس کا حکم مانتا ہوں تو وہ خوش ہوگا۔ میں لکڑیاں بیچ کر پیسے کما لوں گا، لیکن یہ ان چڑیوں پر ظلم ہوگا، جنھوں نے یہاں گھونسلا بنا رکھا ہے۔ وہ سوچتا رہا کہ ماں باپ کا حکم ماننے یا ان بیچاری چڑیوں کے گھونسلے کو سلامت رکھے۔ اس کی نظر بار بار گھونسلے پر جم جاتی تھی۔ آخر وہ اٹھ بیٹھا اور پکے ارادے کے ساتھ واپس گھر روانہ ہو گیا۔ اس کا باپ گھر کے باہر چارپائی پر لیٹا اس کا انتظار کر رہا تھا۔ شرفو کو دیکھا تو بولا: ''شرفو بیٹا! جلدی آ گئے ہو۔ بڑی جلدی لکڑیاں بک گئی ہیں۔''

''نہیں ابا جان!''

''کیا بات ہے؟''

''ابا جان! میں درخت پر کلہاڑا نہیں چلا سکا۔''

''کیوں؟'' لکڑہارا حیران ہو کر بولا۔

شرفو نے جو کچھ دیکھا تھا، وہ باپ کو بتا دیا اور اس سے پہلے کہ اس کا باپ کچھ کہے، اس کی ماں نے کہا: ''بیٹا! اس درخت پر چڑیوں نے گھونسلا بنا رکھا تھا تو اسے چھوڑ کر دوسرے درخت کی شاخیں کاٹ لیتے۔''

شرفو نے جواب دیا: ''اماں! وہاں بھی پرندوں نے گھونسلا بنا رکھا تھا۔ کیسے کاٹتا اسے۔''

لکڑہارا اپنے بیٹے کی بات سن کر بہت خفا ہوا اور غصے سے کہنے لگا: ''او احمق! لکڑہارا یہ نہیں دیکھتا

کہ درخت پر پرندوں کا گھونسلا ہے یا نہیں۔ اسے لکڑیاں کاٹ کر بیچنی ہوتی ہیں۔ تم نے بڑی احمقانہ حرکت کی ہے۔ میں نہیں سمجھتا، تم اتنے پاگل ہو گے۔''

لکڑہارا غصے میں جانے اور کیا کہہ دیتا کہ اس کی بیوی نے سرگوشی میں سمجھایا: ''آخر بچہ ہے، بس اور کچھ نہ کہو۔ دو تین دن ٹھہر جاؤ۔ اپنی ذمے داری سنبھال لے گا۔''

دو دن بیت گئے تو پھر باپ نے بیٹے کو ایک اور مقام کا پتا بتایا اور تاکید کی: ''خبردار! درخت پر ضرب لگانے سے پہلے اوپر نہیں دیکھنا۔''

شرفو نے عہد کر لیا کہ وہ پہلے کی طرح اوپر نہیں دیکھے گا اور باپ کے بتائے ہوئے مقام پر چلا گیا۔ اسے اپنا وعدہ یاد تھا۔ چناں چہ پہلے پیڑ کے پاس پہنچ کر اس نے اوپر نہیں دیکھا۔ وہ نیچے دیکھتے ہوئے کلہاڑا مارنے لگا کہ اس کی نظر پیڑ کے نیچے اس جنگلی پھل پر پڑی، جسے بعض لوگ ہانڈی میں پکا کر کھاتے ہیں۔

ایک سوال ذہن میں ابھر آیا: اس پیڑ پر یہ پھل لگتا ہے۔ میں اسے کیوں نقصان پہنچاؤں؟ کیا اس کی شاخیں کاٹنے سے اس پھل کا کچھ حصہ ضائع نہیں ہو جائے گا؟ کیا یہ ان لوگوں کے ساتھ زیادتی نہیں ہوگی جو اسے ہانڈی میں پکا کر کھاتے ہیں؟

وہ دیر تک اس درخت کے نیچے بیٹھا رہا اور سوچتا رہا۔

اس روز جب لکڑہارے نے اپنے بیٹے کو دیر سے آتے دیکھا تو اسے یقین ہو گیا کہ اب یہ ضرور لکڑیاں بیچ کر پیسے لایا ہے۔ وہ خوش ہو کر بولا: ''آج میرا بیٹا کافی پیسے لے کر آیا ہے۔ ہے نا، کیوں شرفو!''

''نہیں ابا جان! میں کوئی پیسہ نہیں لایا۔'' پھر اس نے باپ کو درخت نہ کاٹنے کی وجہ بتا دی۔ بیٹے کی بات سنتے ہی لکڑہارے کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔

''تو کچھ نہیں کر سکے گا۔ تجھے لکڑیاں کاٹ کر بیچنے کے لیے بھیجا تھا، پیڑ کا پھل دیکھنے کے لیے نہیں۔''

''میں کیا کرتا ابا جان! آپ جانتے نہیں، لوگ اس پھل کو پکا کر کھاتے ہیں۔''

باپ گرجا: ''تو تمھیں کیا؟ لوگ پھل پکا کر کھاتے ہیں، تم تو نہیں۔''

''ابا جی! وہ لوگ بھی تو ہمارے جیسے ہیں نا۔''

لکڑہارے کا غصہ بڑھتا جا رہا تھا کہ اس کی بیوی نے پھر اسے سمجھایا: ''بس اب اور کچھ نہ کہو۔ مجھے امید ہے، شرفو سیدھے راستے پر آ جائے گا۔''

لکڑہارا بولا: ''اب کے میں برداشت کر لیتا ہوں۔ آئندہ اس نے ایسی بیہودہ حرکت کی تو میں اسے گھر سے نکال دوں گا۔''

چند دن گزر گئے۔ لکڑہارے نے اس مرتبہ پرانے درختوں کا پتا بتا کر کہا: ''خبردار! اب کے کوئی بہانہ نہ بنانا، پیسے لے کر گھر آنا۔''

شرفو جنگل میں گیا۔ اس نے پرانے درخت دیکھے۔ بہت بوڑھے ہو چکے تھے۔ انھیں دیکھ کر وہ سوچنے لگا: انھوں نے برسوں تک مسافروں کے لیے ٹھنڈے سائے مہیا کیے ہیں۔ تھکے ہوئے لوگ ان کے نیچے بیٹھ کر سکون حاصل کرتے رہے ہیں۔ انھیں کاٹنا انسان کے ان محسنوں کا احسان ماننے کے بجائے ان پر الٹا ظلم نہیں ہوگا؟

اور وہ واپس آنے لگا۔ راستے میں ایک نہر پڑتی تھی۔ اس کے پل پر سے گزرتے ہوئے اس نے کلہاڑا نیچے پانی میں پھینک دیا کہ نہ یہ ہوگا اور نہ مجھے لکڑیاں کاٹنے کے لیے کہا جائے گا۔ شہر میں ایک بازار سے گزرتے ہوئے اس نے کئی دکانوں کو دیکھ کر سوچا: ''یہ اچھا کام ہے۔ میں بھی ابا جان سے کہہ کر بازار میں ایک دکان کھول لوں گا۔''

اس روز وہ شام کے قریب اپنے گھر پہنچا۔ لکڑہارے کو پورا یقین تھا کہ اس کا بیٹا ضرور لکڑیاں بیچ

کر آیا ہے۔

''تو آج تم نے کیا کام کیا ہے؟''

باپ کا یہ سوال سن کر شرفو بولا: ''ابا جان! درخت تو میں نہیں کاٹ سکا۔ وہ ساری عمر مسافروں کو ٹھنڈے سائے دیتے رہے ہیں۔ میں نے سوچ لیا ہے کہ بازار میں دکان پر بیٹھا کروں گا۔''

بیٹے کے منھ سے جیسے ہی یہ لفظ نکلے لکڑہارا اپنے غصے پر قابو نہ رکھ سکا اور اسے اسی وقت گھر سے نکال دیا۔ ماں نے دخل دینا چاہا تو لکڑہارے نے اسے بھی جھڑک دیا: ''بس، بس اب تم ایک لفظ نہیں کہو گی۔''

شرفو گھر سے نکل کر چلنے لگا۔ اس کا کوئی ٹھکانا تو تھا نہیں۔ کہاں جا سکتا تھا؟ چلتا گیا، چلتا گیا، یہاں تک کہ اس قدر تھک گیا کہ اس کے لیے ایک قدم اٹھانا بھی دشوار ہو گیا تھا۔ قریب ہی ایک بڑی شان دار حویلی تھی۔ وہ اس کے دروازے پر گر پڑا اور بے ہوش ہو گیا۔

ادھر لکڑہارا اور اس کی بیوی اپنے بیٹے کی جدائی میں تڑپ رہے تھے۔ لکڑہارا بری طرح پچھتا رہا تھا کہ اس نے بیٹے کو گھر سے کیوں نکال دیا تھا۔ ایک دن دونوں بیٹے کی باتیں یاد کر کے رو رہے تھے کہ ان کے مکان کے آگے ایک بگھی رکی۔ اس میں سے ایک شخص اترا اور لکڑہارے کے دروازے پر دستک دینے لگا۔

''کیوں جناب! کیا بات ہے؟'' لکڑہارے نے دروازہ کھول کر اس آدمی سے پوچھا۔

''آپ کو اور آپ کی بیوی کو نادرخاں نے بلایا ہے۔''

''نادرخاں کون؟'' لکڑہارے نے یہ نام پہلی بار سنا تھا۔

''آپ نینا درخاں کا نام نہیں سنا؟''

''جی نہیں۔''

''وہ بڑے آدمی ہیں، سب ان کی عزت کرتے ہیں۔ مہربانی کر کے بگھی میں بیٹھ جائیں۔'
لکڑہارا اور اس کی بیوی بگھی میں بیٹھ گئے۔ بگھی انھیں ایک بڑے خوب صورت اور شاندار باغ میں لے آئی۔

وہ باغ کو دیکھ دیکھ کر حیران ہو رہے تھے کہ ایک طرف سے آواز آئی: ''ابا جان! اماں!''

''ارے شرفو!'' لکڑہارا اور اس کی بیوی اپنے بیٹے کو دیکھ کر حیران ہو گئے۔ شرفو نے اعلا قسم کا لباس پہن رکھا تھا اور بہت خوش لگتا تھا۔

''تم یہاں کہاں؟'' شرفو کی ماں نے پوچھا۔

شرفو کہنے لگا: ''اماں! اس شام جب ابا جان نے مجھے گھر سے نکالا تھا تو میں تھک کر ایک حویلی کے دروازے پر گر پڑا۔ اس حویلی کے مالک نادر خاں ہیں، جنھوں نے یہ دیکھ کر کہ مجھے درختوں اور پرندوں سے بڑی محبت ہے، اپنے اس باغ کا مالی بنا دیا ہے۔ وہ ہیں میرے محسن۔''

نادر خاں قریب آ گئے اور کہنے لگے: ''واقعی شرفو کی اس بات نے مجھے بہت متاثر کیا تھا کہ اسے درختوں کا بڑا خیال ہے۔ درختوں سے محبت کرتا ہے۔ میں نے اسے اپنے باغ کے درختوں کی رکھوالی کا کام سپرد کر دیا ہے۔ وہ یہاں نئے نئے پودے لگائے گا اور ان کی حفاظت کرے گا، اس نے درختوں سے محبت کی ہے اور درختوں نے اس محبت کا یہ بدلہ دیا ہے۔''

شرفو کے اصرار پر اس کے ماں باپ بھی وہیں خوشی خوشی زندگی بسر کرنے لگے۔

پروفیسر مجیب ظفر انوار کا خوب صورت انتخاب

مزاحیہ ادب کا مشہور کردار جو اپنی حاضر جوابی اور بے ساختگی کی وجہ سے مشہور ہے

نام بوجھیے

سلیم فرخی

میں سنہ ۱۲۰۸ء (۶۳۵ھ) میں ترکی کے ایک گاؤں ''قریہ خورتو'' میں پیدا ہوا۔ علم و فضل کے اعتبار سے ہمارا گھرانہ دور دور تک مشہور تھا۔ میرے والد صاحب کا شمار قابلِ قدر علمائے دین میں ہوتا تھا۔ وہ قاضی بھی تھے اور امامت بھی فرماتے تھے۔ خاندانی روایات کے مطابق مجھے وہاں کے ایک مشہور مدرسے میں علم حاصل کرنے کے لیے بھیج دیا گیا۔ مدرسہ جس علاقے میں تھا وہ ''کونیا'' کہلاتا تھا۔ میرے مزاج میں

حسِ مزاح کی فراوانی تھی، کیوں کہ گھر کے دوسرے افراد میں بھی حسِ لطافت پائی جاتی تھی۔ اس چھوٹی سی عمر میں ہی میں نے داستان گوئی اور ظرافت کے کمالات دکھانے شروع کر دیے۔ اس کے ساتھ ساتھ تعلیم کی طرف بھی بھرپور توجہ تھی۔ چند برسوں کے اندر میں نے اپنے گرد تعلیم یافتہ لوگوں اور ادبی حلقوں میں اپنے لیے ایک خاص مقام پیدا کر لیا۔

میں ہرفن مولا، یعنی ہر کام میں ماہر تھا۔ والد صاحب قاضی (جسٹس) تھے۔ ان کے بعد میں نے برسوں اس عہدے پر خدمات انجام دیں۔ میں استاد بھی رہا۔ حکمت بھی خوب کی۔ درزی کا کام بھی کیا۔ تجارت کا بھی خوب تجربہ کیا اور کام یاب رہا۔ پھر سیاحت کا شوق پیدا ہو گیا تو دنیا کے بہت سے ممالک کی سیر کر لی۔ میں کوئی کام کر رہا ہوں یا کہیں بھی موجود ہوں، حالات کیسے بھی ہوں اپنی شوخی سے باز نہیں رہ پاتا۔ حتیٰ کہ قبرستان کا عبرت ناک اور غم انگیز ماحول ہو یا سنجیدہ لوگوں کی کوئی محفل ہو، میں اپنی زندہ دلی اور پُرمزاح طبیعت کو چھپا نہیں پاتا تھا۔ ایسے مواقع پر بھی دو ایک پھلجھڑیاں ایسی چھوڑ دیتا تھا کہ سب مسکرانے پر مجبور ہو جاتے۔ کسی بیمار کی عیادت کے لیے جاتا تو وہاں میری خوش طبع گفتگو سے مریض بھی اپنی پریشانی بھول جاتا۔

میرے علم و فضل کی شہرت سرکاری حلقوں تک پہنچ گئی تھی۔ بادشاہ کے دربار سے وابستہ ہوا۔ بادشاہ بھی مجھے قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ میں نے تھوڑے ہی عرصے میں اپنے علم اور فطری حسِ ظرافت کے بل بوتے پر وہاں اکثر لوگوں کے دلوں میں جگہ بنالی اور بے فکری سے زندگی گزارنے لگا۔ میری عزت افزائی دیکھ کر وہاں میرے چند حاسد بھی پیدا ہو گئے۔ چناں چہ میں وہاں سے ہجرت کر کے علاؤالدین سلجوقی کے دربار سے منسلک ہو گیا۔ یہاں بھی تھوڑے عرصے میں اپنی علمی فضیلت کا سکہ منوالیا۔ بادشاہ ہر کام میں مجھ سے مشورہ کرنے لگا۔ بادشاہ کو مجھ پر اس قدر اعتماد ہو گیا کہ اس نے کئی اہم مہموں پر بھی مجھے مامور کیا اور ہمیشہ انعام و اکرام سے نوازا۔ میں زندگی کے آخری دور تک وہیں رہا۔

زندگی بھر میں نے بہت عزت پائی۔ بچے بوڑھے سب مجھ سے محبت کرتے تھے اور میرے چٹکلے بڑے شوق سے سنتے تھے۔ مجھے احتراماً ''آفندی'' یعنی آقا کہا جاتا تھا۔ لوگوں نے میرے کچھ واقعات و حکایات لکھ کر محفوظ بھی کر لیے تھے۔ پھر ان میں سے انتخاب کر کے ایک مجموعہ ''بُو آدم'' یعنی ''یہ آدمی'' (اشارہ میری طرف تھا) شائع کیا۔ ایک اور شخص ''کونوس'' نامی تھا جس نے ان واقعات کو ان لوگوں کی زبانی سن کر جمع کر لیا، جہاں جہاں میں رہ چکا تھا۔ یہ کتاب ۱۸۹۹ء میں شائع ہوئی۔

اب میں آپ کو اپنی زندگی کے چند پُر مزاح واقعات سناتا ہوں۔

☆ میرا ایک بہت پڑھا لکھا دوست تھا۔ ایک دفعہ اس نے مجھ سے ملنے کے لیے میرے گھر آنے کا دن مقرر کیا اور گھر پہنچ گیا۔ اس دوران میں بھول گیا اور کسی کام سے باہر چلا گیا۔ اس دن گھر پر کوئی نہیں تھا، اس لیے باہر تالا لگا کر گیا تھا۔ دوست نے جب دروازے پر تالا دیکھا تو اسے بہت غصہ آیا۔ اس نے جل کر دروازے پر ہی ''بے وقوف، پاجی'' لکھا اور چلا گیا۔ جب میں گھر واپس آیا تو یہ لکھا دیکھ کر مجھے یاد آیا۔ میں فوراً دوست کے گھر پہنچا۔ معذرت کی اور معافی مانگتے ہوئے کہا: ''معاف کرنا، میں تو بالکل ہی بھول گیا تھا کہ آپ غریب خانے پر تشریف لانے والے ہیں۔ آپ کو زحمت ہوئی، میں گھر پر نہیں تھا۔ مجھے تو اس وقت یاد آیا جب دروازے پر آپ کا نام لکھا دیکھا۔''

☆ ایک بھکاری نے میرا گھر دیکھ لیا۔ میرے گھر پر آتا اور کھانے پینے کی چیزوں کے ساتھ کچھ پیسے بھی مانگ لیتا۔ آخر میں اس سے عاجز آ گیا، مگر اس سے جان چھڑانے کی کوئی تدبیر سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ ایک دن میں کھانا کھانے کے لیے بیٹھا تو وہی بھکاری آ دھمکا۔ میں نے منھ بگاڑ کر کہا: ''آخر تُو ہے کون؟ جسے روزانہ یہاں آنے کی عادت پڑ گئی ہے؟''

بھکاری نے کہا: ''خدا کا مہمان ہوں۔''

میں نے فوراً بھکاری کا ہاتھ پکڑا اور اسے لے کر جامع مسجد کی طرف چلا۔ مسجد کے دروازے پر پہنچ کر میں نے اس سے کہا کہ اب تک تُو سخت دھوکے میں تھا۔ وہ گھر جہاں تو روز آتا ہے، وہ میرا گھر ہے، لیکن جب تُو نے بتایا کہ تُو خدا کا مہمان ہے تو میں نے اس میں بڑی بے حرمتی محسوس کی کہ خدا کے مہمان کو خدا کے گھر سے لاعلم رکھوں۔ خبردار! تُو نے اب میرے گھر کا رُخ کیا۔ خدا کے مہمان! خدا کے گھر کو اچھی طرح پہچان لے اور اِدھر اُدھر نہ بھٹکتا پھرا کر۔''

☆ میرے گھر کے بالکل سامنے ایک درویش صفت نیک سیرت شخص رہتا تھا۔ جسے سب آغا صاحب کہتے تھے۔ ایک دم موسلا دھار بارش ہو رہی تھی۔ آغا صاحب بارش سے بچنے کے لیے کسی محفوظ جگہ کی تلاش میں تیز تیز قدم اُٹھا رہے تھے۔ میں نے جو انھیں یوں بارش سے بچتے دیکھا تو زور سے کہا: ''ارے، آغا صاحب! آپ خدا کی رحمت سے کیوں بھاگ رہے ہیں۔ ایک مسلمان کی حیثیت سے آپ کو ماننا چاہیے کہ بارش تمام مخلوقات کے لیے رحمت ہے۔''

میری یہ بات سن کر آغا صاحب شرمندہ ہوگئے۔ کہنے لگے: ''خدا کی قسم میرا ذہن اس طرف گیا ہی نہیں۔ بہت اچھی بات بتائی آپ نے۔''

یہ کہہ کر آغا صاحب اطمینان سے بھیگتے ہوئے گھر پہنچے۔ انھیں ٹھنڈ لگ گئی، بیمار ہوگئے۔ وہ گھر کی کھڑکی کے ساتھ چارپائی پر کمبل اوڑھے لیٹے تھے اور میں ان کے سامنے والی کھڑکی میں گھر میں آرام سے بیٹھا تھا۔ ان کی نظر مجھ پر پڑی تو بولے: ''تم اللہ تعالیٰ کی اس رحمت سے کیوں بچ رہے ہو، باہر نکل کر اس رحمت سے فیض یاب کیوں نہیں ہوتے!''

میں نے جواب دیا: ''آغا صاحب! آپ کی عقل کو کیا ہوگیا ہے، یہ اللہ کی رحمت ہے، میں اسے اپنے قدموں سے ناپاک کرنا نہیں چاہتا۔''

واقعات تو بے شمار ہیں، لیکن وقت محدود ہے۔ ان ہی سب باتوں کی وجہ سے میں وسطی ایشیا اور شمالی افریقا تک میں مقبول ہوں۔ میرے لطائف و ظرائف انگریزی، اردو، روسی، ہنگری، یونانی، سربیا، کروٹ، بلغارین زبانوں میں بھی شائع ہو چکے ہیں۔ انھیں جرمن، روسی، ترکی اور رومانوی زبان کے شاعروں نے اپنی نظموں میں بھی استعمال کیا ہے۔

میں نے بڑھاپے تک بادشاہ کے دربار سے وابستہ رہنے کے بعد ایکشر نامی علاقے میں گوشہ نشینی اختیار کر لی اور یہیں ۱۲۸۴ء (۶۸۳ھ) میں ۷۶ سال کی عمر میں میرا انتقال ہو گیا۔

•••••••

مغلئی پالک

تازہ پالک : سوا کلو / تازہ ادرک چھلی ہوئی : ۲،انچ کا ٹکڑا
تیل : چار کھانے کے چمچے / نمک : بقدر ذائقہ
مکھن (بغیر نمک) : چار کھانے کے چمچے / میتھی کے بیج : آدھا چائے کا چمچہ
چھوٹی الائچی : ۴ عدد / پیاز درمیانی سائز لمبائی میں کٹی ہوئی : ۳ عدد
سرخ مرچ کا پاؤڈر : آدھا چائے کا چمچہ / گرم مسالا : آدھا چائے کا چمچہ

ترکیب : پالک چُن کر اور اچھی طرح دھو کر الگ رکھ دیں۔ چھلی ہوئی ادرک کے باریک لچھے کاٹیں۔ تیل اور گھی کو خوب گرم کریں۔ میتھی کے بیج اور الائچیاں اس میں ڈال دیں۔ اب چمچہ چلا کر ادرک اور پیاز ڈالیں۔ جب پیاز بادامی رنگ کی ہو جائے تو پالک ڈال دیں اور اچھی طرح ڈھک دیں، کبھی کبھار اس میں کفگیر چلاتی رہیں۔ پالک نرم ہو جائے تو آنچ دھیمی کر دیں پھر نمک اور مرچ ڈال کر ڈھک دیں اور ۲۵ منٹ تک پکائیں۔ ڈھکن ہٹا کر گرم مسالا ڈالیں اور ۵ منٹ تک بھونیں۔ آپ اسے روٹی اور چاول کے ساتھ کھا سکتے ہیں۔ چھے آدمیوں کے لیے کافی ہوگی۔

چیری بلاسم کا تہوار

ہانامی

اقبال برما

شاید جاپانیوں کی زندگی میں لطافت اور خوب صورت لمحات کا جو تصور اور احساس ''ہانامی'' کے تہوار سے وابستہ ہے، اس کی مثال کسی دوسری شے، روایت یا احساس کے ذریعے سمجھنا اور سمجھانا اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے، گزشتہ ۲۰۰۰ سال سے منائے جانے والے اس تہوار کی جڑیں جاپانیوں کی زندگی میں پیوستہ ہیں۔

یہ تہوار اس وقت منایا جاتا ہے جب جاپان کا مخصوص پھول ''سَکورُا'' کھلتا ہے، یہ دور موسموں کے سفر کا دور ہوتا ہے، اپریل سے مئی کی جانب سفر کے دور کو کیف و سرمستی، گرم اور خشک ماحول سے

بادِ بہاری اور نیرنگی ونو بہاری کے نئے باب کھلنے کا دور کہا جا سکتا ہے جو صرف ایک ہفتے کے مختصر وقت پر محیط ہوتا ہے۔اس ایک ہفتے کے دوران درختوں پر قندیلیں جلائی جاتی ہیں، پکنک منانے اور ہلا گلا کرنے کے انتظامات کیے جاتے ہیں اور کھانے پینے کا خصوصی انتظام کیا جاتا ہے۔

ماضی میں جاپانی بادشاہ اس فیسٹیول کے دوران اپنے درباریوں، امراء اور عمائدین سلطنت کو اس دور خوش ہنگام کی خوش گوار لذتوں سے پوری طرح لطف اندوز ہونے کا موقع فراہم کرتے تھے، ان عمائدین کے اعزاز میں سکورا (جاپانی پھول) سے مزین خوب صورت مناظر سے مالا مال جگہوں پر ضیافت کا اہتمام کیا جاتا تھا، جہاں شاعر اور گلوکار اپنے فن کا مظاہرہ کرتے تھے۔ یہ سلسلہ ۱۵۹۸ء تک اپنے عروج تک پہنچ چکا تھا۔ اس دور کے مشہور بادشاہ ''ہیدیوشی'' (HIDYOYSHI) نے کیوٹو کے قریب ''ہانامی'' کی ایک عظیم الشان تقریب منعقد کی تھی جس میں طبقہ امراء، ڈائی میو (زمیندار) اور جنگجو ''سیمورائی'' مدعو کیے گئے، اسی سال ہیدیوشی کا انتقال ہو گیا، جس کے ساتھ ہی ''ہانامی'' کا ایک عہد تمام ہوا۔

بعد کے شوگن عہد میں ایسی بہت سی جاپانی روایتوں کو قابلِ ذکر نہ جانا گیا جس کا تعلق گزشتہ ادوار سے تھا، لیکن عوام کی سطح پر ''ہانامی'' کی مقبولیت کم نہ ہوئی اور آج تک اسے کھانے پینے، کھیلنے کودنے، گانے بجانے اور پکنک کے انداز میں منایا جاتا ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے پنجاب کے ثقافتی تقریبات میں بسنت منائی جاتی ہے، لیکن فرق یہ ہے کہ جاپان میں نہ تو لوہے کی تاروں سے پتنگیں اُڑائی جاتی ہیں اور نہ ہی تفریح کے نام پر لوگوں کے گلے کاٹے جاتے ہیں۔

جاپانی اپنی تمام تر جدت پسندی اور روشن خیالی کے باوجود ایک راویت پرست قوم ہے اور ان روایتوں کے اثرات ان کے آرٹ لٹریچر میں بھی نمایاں ہیں۔ جاپانی شاعری ''ہائیک'' ہو یا ''کابوکی'' جیسے ڈرامے ان کے عمومی موضوعات میں ''سکورا'' اور ''ہانامی'' بھی شامل ہوتے ہیں۔ جو اس بات کا اظہار ہیں کہ ''ہانامی'' جاپانیوں کی تاریخی، ثقافتی، تہذیبی، معاشرتی یہاں تک کہ نفسیاتی جڑوں تک پیوستہ ہے۔

چچا شیخی باز

حبیب اشرف صبوحی

چچا شیخی باز بڑی من موجی طبیعت کے مالک تھے۔ بڑے تو بڑے، بچے بھی ان کے کم دیوانے نہ تھے۔ چچا کے ڈیرے پر خوب رونق ہوتی۔ وہ طرح طرح کی کہانیاں سنا کر انھیں ہنساتے تھے۔

ایک شام میں، گڈو، منو، ثمینہ، کمال اور یوسف سب چچا کے گرد جمع تھے۔ انھوں نے اپنے اردگرد بیٹھے بچوں کو مسکرا کر دیکھا اور بولے: ''دیکھو بچو! میں یہ قصے اس شرط پر سناؤں گا کہ قصہ پورا ہونے سے پہلے کوئی بچہ سوال نہیں کرے گا!''

سب بچوں نے گردن ہلا کر حامی بھر لی۔

چچا نے کھنکار کر گلا صاف کیا اور کہنا شروع کیا: ''بچو! ہر عظیم کھلاڑی کی طرح میرا بھی بچپن گزرا ہے۔ خدا جھوٹ نہ بلوائے۔ چار ماہ، تین دن، دو گھنٹے، بیالیس منٹ اور بیس سیکنڈ کی عمر سے ہی میں نے کرکٹ کھیلنی شروع کر دی تھی۔ گیارہ سال کی عمر تک اس کھیل میں بڑی مہارت حاصل کر لی تھی اور میرے کھیل کی شہرت اپنے محلے، شہر، ملک کی گلیوں، میدانوں سے ہوتی ہوئی ساری دنیا میں پھیل گئی تھی۔ کرکٹ کے شائقین میرا کھیل دیکھنے کے لیے لاہور آنے لگے۔

اس چھوٹی سی عمر میں مجھے اتنے آٹو گراف دینے پڑتے تھے کہ رات کو نیم گرم پانی میں چٹکی بھر نمک ڈال کر اُنگلیوں کی سینکائی کرنی پڑتی تھی۔

ادھر میں گلیوں میں کرکٹ کے یہ گل کھلا رہا تھا، اُدھر قومی کرکٹ ٹیم تشکیل دی جا رہی تھی۔ بیرونِ ملک دورے میں میچ کے لیے سلیکشن کمیٹی اپنے طور پر کھلاڑیوں کو نامزد کر رہی تھی، مگر اس بات پر سبھی متفق تھے کہ ٹیم کے کیپٹن کی حیثیت سے مجھے ہی نامزد کیا جائے، مگر جب ٹیم کا اعلان ہوا تو سبھی کے منھ حیرت سے کھلے رہ گئے کہ پوری ٹیم کے طور پر میرے ہی نام کا اعلان ہوا۔ اُدھر جب اس ایک رکنی ٹیم کا اعلان ہوا تو میزبان ٹیم کے کیپٹن نے یہ کہہ کر کھیلنے سے انکار کر دیا کہ ہم ایک رکنی ٹیم سے بھلا کیا میچ کھیلیں گے۔ اتنے بڑے ملک میں صرف ایک ہی شخص کرکٹ کا کھلاڑی ہے!!

اس کے جواب میں ہمارے سلیکشن بورڈ نے کہا کہ ہمارا ایک ہی کھلاڑی آپ کی پوری ٹیم کے لیے کافی ہے۔ ہمت ہے تو آپ کی ٹیم ہمارے اس واحد کھلاڑی کا مقابلہ کر کے دکھائے۔ میزبان ٹیم نے اس چیلنج کو قبول کر لیا۔ مقابلے کے لیے بمبئی کا اسٹیڈیم منتخب ہوا۔ پاکستان کی ٹیم کا یہ ایک کھلاڑی میچ کھیلنے کے لیے اسٹیڈیم پہنچا۔ اس انوکھے میچ کو دیکھنے کے لیے پورا شہر اُمڈ آیا۔ اسٹیڈیم میں تِل دھرنے کو بھی جگہ نہ رہی۔

میزبان ٹیم نے ٹاس کر کے بڑی شان سے مجھے بیٹنگ کی دعوت دی اور میں ہوا میں بیٹ لہراتا ہوا میدان میں داخل ہو کر وکٹ پر کھڑا ہو گیا۔ ہر گیند اپنی مرضی سے کھیلی۔ موڈ ہوا تو چوکا چھکا مار دیا۔ دل چاہا تو ایک رن پر ہی اکتفا کیا۔

مخالف ٹیم نے اپنے تمام تجربے کار باؤلرز ایک ایک کر کے میدان میں اُتارے، مگر سبھی مجھے آؤٹ کرنے سے محروم رہے۔ دو ڈھائی گھنٹے میں اچھا خاصا اسکور ہو گیا، مگر میں نے لنچ کے وقفے تک پانچ سو رنز بنا کر ناٹ آؤٹ رہتے ہوئے انھیں کھیلنے کی دعوت دی۔ لنچ کے بعد میزبان ٹیم بیٹنگ کے لیے میدان میں اُتری۔ اس کے کھلاڑی سہمے سے لگ رہے تھے، مبصرین کے خیال میں تنہا باؤلنگ کرانا اور ساتھ ساتھ فیلڈنگ کرنا ناممکن ہے، مگر میں نے مسکراتے ہوئے باؤلنگ شروع کرائی۔ ہر گیند پر ایک کھلاڑی آؤٹ ہو جاتا اور یوں دیکھتے ہی دیکھتے دس گیند پر پوری ٹیم بغیر کوئی رن بنائے زیرو پر آؤٹ ہو گئی۔ سچ بچو! اس میچ سے کرکٹ کی دنیا میں تہلکہ مچ گیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ برطانیہ کے وزیراعظم تک یہ میچ دیکھنے کے لیے تشریف لائے تھے۔ ہر گیند پر ایک بلے باز کو آؤٹ کر کے میں نے انھیں حیرت کے سمندر میں ڈال دیا۔ دوسرے تماشائی مارے حیرت کے اپنی سیٹوں سے اُٹھ کر گھر جانا بھول گئے۔ پھر وہاں کے ایک لارڈ کو میچ کے اس عبرت ناک نتیجے پر بڑی شرم سی آئی، مگر وہ جھینپ مٹانے کو بولا: ''ارے میاں! ایک گیند پر ایک کھلاڑی آؤٹ کرنا کوئی بڑی بات نہیں، کارنامہ تو تب ہوگا، جب تم ایک گیند سے دو کھلاڑی آؤٹ کر کے دکھاؤ۔''

میں بھلا کوئی معمولی کھلاڑی تو نہیں تھا جو کنی کترا جاتا۔ بس آ گیا ترنگ میں۔ آؤ دیکھا نہ تاؤ، فوراً ہی یہ کارنامہ دکھانے کا فیصلہ کر لیا۔

اتنا کہہ کر چچا نے بڑے فخریہ انداز میں سارے بچوں پر نظر ڈالی اور پھر آگے کہنا شروع کیا: ''

ملک کے دو نامور بلے باز میدان میں آئے اور وکٹ پر پہنچ کر اپنی سائڈ پر کھڑے ہو گئے۔ لمحہ بھر کی تاخیر کیے بغیر میں نے باؤلنگ کرانے کا فیصلہ کر لیا۔ اس کے بعد اسٹیڈیم میں موجود شائقین نے دیکھا کہ میں نے بڑے طوفانی انداز سے بولنگ کا آغاز کیا۔ دوڑتے اور مقررہ جگہ پہنچ کر عجیب وغریب انداز میں ہاتھ گھماتے ہوئے گیند کرائی۔ گیند کسی توپ کے گولے کی طرح دندناتی ہوئی سامنے کی وکٹوں کو اُکھاڑ کر واپس پلٹی اور دوسرے سرے کی وکٹ سے ٹکرا کر میرے ہاتھوں میں پہنچ گئی۔ ایمپائر نے دونوں ہاتھ اُٹھا لیے، جس کا مطلب تھا کہ دونوں کھلاڑی آؤٹ ہو چکے ہیں۔''

ہم سب بچے بڑی دیر سے ہنسی برداشت کر رہے تھے، مگر ثمینہ کی ہنسی آخر اُبل پڑی۔ وہ بڑی مشکل سے قہقہہ روکتی ہوئی بولی: ''ایسے کیسے ہوسکتا ہے چچا! آپ کو تو کرکٹ کے قواعد کا بھی علم نہیں۔''

ہم سب کی آنکھیں اس کی حمایت کرنے لگیں، مگر چچا شیخی باز بھلا کہاں چوکنے والے تھے، اپنی گول گول آنکھیں دکھا کر بولے: ''تم سے کسی نے کہا تھا درمیان میں بولنے کو۔ یہ تو معاہدے کی خلاف ورزی ہے۔ میں قصہ آگے سنانے کا حق محفوظ رکھتا ہوں، مگر چوں کہ یہ پہلی غلطی ہے، اس لیے معاف کیے دیتا ہوں۔ آیندہ خیال رہے۔''

یہ کہہ کر انھوں نے آگے سنانا شروع کر دیا: ''میرے اس کارنامے پر سارے تماشائی پورے ۱۴ منٹ ۵۹ سیکنڈ تک کھڑے ہو کر پُر جوش تالیاں بجاتے رہے، مگر وہ لارڈ خوش نہ ہوئے۔ وہ میرا مزید امتحان لینا چاہتے تھے۔ انھوں نے کہا: ''مسٹر! اگر تم ہم کو ایک بال پر تین وکٹیں لے کر دکھاؤ تو ہم تمھیں مان جائیں گے۔''

میرے لیے یہ کون سی بڑی بات تھی، فوراً تیار ہو گیا۔ لارڈ صاحب نے تین بہترین بیٹسمین ہماری گیند کا مقابلہ کرنے کے لیے میدان میں بھجوائے۔

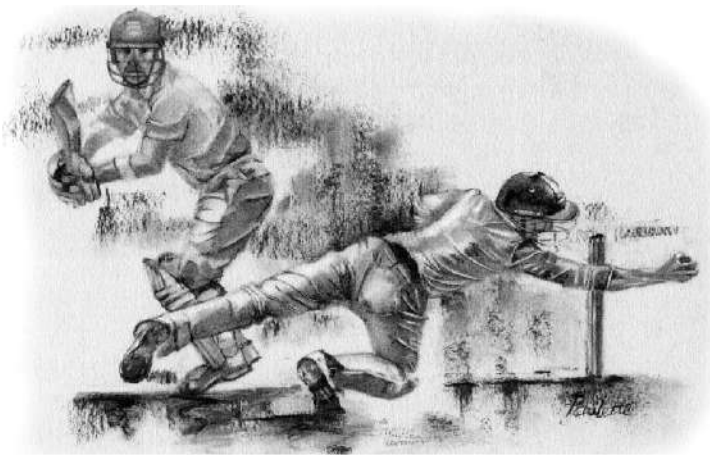

میں نے پہلے کی طرح پیچھے ہٹ کر طوفانی انداز اختیار کرتے ہوئے اپنی جگہ آ کر گیند کرادی۔
گیند میرے ہاتھ سے اس طرح نکلی جیسے بندوق سے گولی، اور زن زناتی ہوئی دونوں وکٹوں کو گراتی ہوئی اس طرف پلٹی، جس طرح پہلی وکٹ گرنے پر تیسرا کھلاڑی آن کھڑا ہوا تھا۔ اس نے بڑے نپے تلے انداز میں گیند کو کھیلا اور شان دار چوکا لگایا، مگر صاحب! میں بھلا اسے چوکا کیوں کر نے دیتا فوراً لپکا اور اسے زمین پر گرنے سے پہلے ہی کیچ کرلیا۔ میں نے دیکھا کہ ایمپائر تینوں کھلاڑیوں کو آؤٹ ہونے کا اشارہ کر رہا تھا۔ اس بار فردوس چپ نہ رہ سکی اور مسکراتے ہوئے بولی: ''چچا! آپ کے دور میں تین ہاتھوں والے ایمپائر ہوا کرتے تھے؟''
اتنا کہنے کی دیر تھی کہ چچا شیخی باز غصے سے چیخ کر بولے: ''بس بس اب آگے قصہ نہیں سناؤں گا۔ تم لوگ اس قابل نہیں کہ تمھیں اپنی زندگی کے سچے واقعات سنائے جائیں۔ تم وہی جنوں اور پریوں کے جھوٹے قصے پسند کرو گے، وہی سنو گے۔'' یہ کہتے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوئے اور اپنی جھکی ہوئی کمر کے ساتھ لاٹھی ٹیکتے ہوئے اپنی کھولی میں جا کر بند ہو گئے۔
بچے باہر کھڑے ہوئے کہہ رہے تھے کہ آج چچا کی شیخی شان دار رہی۔

Press Ad

Page 72

مجاہدِ وطن ہوں میں

اے۔کیو۔شاؔد

خوشی کے گیت گاؤں گا　　نیا جہاں بساؤں گا
میں جراتیں دکھاؤں گا　　ستارے توڑ لاؤں گا
مجاہدِ وطن ہوں میں

وطن کی سر زمین کو　　مکان کو ، مکین کو
ہر اک گلِ حسین کو　　سرِ چمن سجاؤں گا
مجاہدِ وطن ہوں میں

محبت و خوشی لیے　　نشاطِ زندگی لیے
سُرورِ بندگی لیے　　جہاں میں جگمگاؤں گا
مجاہدِ وطن ہوں میں

گُلِ چمن کی داستاں　　کلی کلی پہ ہے عیاں
سکونِ دل قرارِ جاں　　جہان کو دلاؤں گا
مجاہدِ وطن ہوں میں

الم اُٹھائے شہر میں　　پھر آ کے اپنی لہر میں
بلند ہو کے دہر میں　　پھریرے کو اُڑاؤں گا
مجاہدِ وطن ہوں میں

سلیم مغل

لاس اینجلس

علم وفن اور فنونِ لطیفہ کا سب سے بڑا مرکز

امریکن ایئر لائن کا طیارہ شکاگو ایئر پورٹ سے اڑان بھرنے کو ہے۔ 3224 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع لاس اینجلس میری اگلی منزل ہے۔ لاس اینجلس امریکا کی تیسری سب سے بڑی ریاست کیلی فورنیا کا سب سے بڑا شہر ہے۔، آبادی کے اعتبار سے نیویارک کے بعد امریکا کا دوسرا بڑا شہر، جس کی آبادی چالیس لاکھ سے زیادہ ہے۔ 40 لاکھ آبادی مجھے تو اس لیے بھی زیادہ نہ لگی کہ میں خود جو دو کروڑ سے زیادہ آبادی والے شہر سے گیا تھا۔

شکاگو کی طرح لاس اینجلس کے بھی بہت سے نام ہیں۔ ''سٹی آف اینجلس''، اینجل ٹاؤن'' ''لا لا لینڈ''، ''ٹینیل ٹاؤن''، ''دی بگ اورنج''، ''سٹی آف فلاورز اینڈ سن شائن''، لیکن '' ایل اے'' سب سے زیادہ مشہور ہے جسے روانی سے بولا جائے تو ''ایلے'' سمجھ میں آتا ہے۔ ان سب ناموں کا اپنا ایک پس منظر ہے مگر اسے کسی اور وقت کے لیے اٹھا رکھتے ہیں۔

لاس اینجلس جسے ہم آیندہ ''ایل اے'' لکھیں گے، تیل کی دولت سے مالا مال ہے۔

اس کی معیشت مستحکم اور یہاں کے لوگ خوش حال ہیں۔ یہاں چھے افراد میں سے ایک کا تعلق لازماً کسی تخلیقی (Creative) شعبے سے ہے۔ اسی لیے شاید لاس اینجلس کو Creative Capital of the world بھی کہا جاتا ہے۔

1923 تک دنیا بھر سے نکالے جانے والے تیل کا ایک چوتھائی حصہ صرف ایل اے سے حاصل ہوتا تھا۔ ایل اے اگر علاحدہ ایک ملک ہوتا تو اس کی معیشت سعودی عرب، سوئٹزرلینڈ اور سویڈن سمیت دنیا کے بہت سے ملکوں سے کہیں زیادہ مستحکم ہوتی۔

کیلیفورنیا کی کاؤنٹی۔ فلم اور ٹی وی کی سب سے بڑی انڈسٹری، ہالی ووڈ، پیراماؤنٹ پکچرز، یونی ورسل اینڈ وارنر برادرز اور مشہور زمانہ ڈزنی لینڈ سمیت تفریح طبع کے بہت سے معروف ادارے یہاں موجود ہیں۔ ان سب کا تفصیلی تعارف اگلی قسط میں انشاءاللہ۔

دنیا کی بہترین یونیورسٹیز بھی لاس اینجلس یا اس سے ملحقہ کیلیفورنیا کے دیگر علاقوں میں واقع ہیں۔ برکلے، ڈیوس، اسٹین فرڈ یا پھر UCLA دنیا کی بہترین یونیورسٹیز میں شمار ہوتی ہیں اور یہاں سے پڑھ کر نکلنے والے زندگی بھر اپنے آپ کو تگڑم خان سمجھتے ہیں۔ ہمارے بہت سے دوست اور یونیورسٹی فیلوز انہی یونیورسٹیز کے فارغ التحصیل ہیں۔

امریکن ایئر لائن سے آتے ہوئے ہمیں کچھ وقت کے لیے ایری زونا کے ایئرپورٹ پر رکنا پڑا۔

CITY OF
RANCHO
CUCAMONGA
KB HOME

ایئرپورٹ سے باہر کا منظر کراچی کی کٹی پہاڑی جیسا تھا، مگر رینجرز کہیں نظر نہ آئی تو ہمیں یقین ہوا کہ یہ ایری زونا ہی ہے۔ کچھ ہی دیر میں ہم اپنی منزل پر بہ خیریت پہنچ گئے اور شکر بجالائے۔ اب ہم گویا ایل اے میں ہیں۔

یہاں سے دوسری فلائٹ لینا تھی۔ ایل اے کے ایک چھوٹے سے ایئرپورٹ ''آن ٹاریو'' سے باہر آیا تو چند لمحوں میں مجھے لینے کے لیے ثنا خان بھی پہنچ گئیں۔ ثنا خان جن کا مکمل نام تسنیم ثنا خان ہے، ہمارے عہد طالب علمی کی بہت ہی متحرک اور بڑی باصلاحیت طالبہ تھیں۔ مجھ سے جونیئر مگر مباحثوں، ادبی پروگراموں اور ریڈیو پاکستان کے پروگرامز بزم طلبہ میں اکثر ہمارا ساتھ رہتا۔ پھر وہی ہوا کہ جو ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے۔ ثنا کی شادی ہوگئی اور وہ کیلی فورنیا سدھار گئیں۔ پھر زمانے گزر گئے اور رابطہ نہیں ہوا۔ اللہ بھلا کرے فیس بک کا جس کی وجہ سے زمانوں بعد گمشدہ لوگ ایک بار پھر ملنا شروع ہوگئے۔ ثنا جب کراچی آئیں تو ان سے باجماعت ملاقات ہوئی تھی۔ وسیم بھائی سے بھی ملے اور مل کر اچھا لگا۔ کیا نفیس اور نستعلیق لوگ ہیں۔ ان کی خوش ذوقی کا اندازہ ان کے گھر دو روز قیام سے بھی ہوا۔ لاس اینجلس کے ڈسٹرکٹ رانچو کوکامونگا میں ثنا کا گھر دیکھا تو طبیعت خوش ہوگئی۔ لوکیشن کا حسن اپنی جگہ اور گھر کی خوب صورتی اپنی جگہ۔ اس سے آگے بڑھیئے تو گھر کی تزئین و آرائش اپنی جگہ اور نفاست و سلیقہ اپنی جگہ، مزید آگے بڑھیے تو اس کے

رہنے والوں کا حسن سلوک اپنی جگہ اور انداز میزبانی اپنی جگہ۔ کیا کہنے
جی خوش ہوا، دیر تک گھر اور اس کے مکینوں کے لیے دعائیں کیں۔ گھر کے عقبی حصے کو سوئمنگ پول اور انواع و اقسام کے پھلوں سے لدے درختوں نے ایسا بنا دیا ہے کہ آنکھیں تراوٹ پاتی ہیں اور روح سرشاری کی کیفیت میں آ جاتی ہے۔ خدا کرے یہ صحن چمن ہمیشہ آباد اور شاداب رہے اور اس کے مکین سدا سکھی رہیں۔

اس منظر کشی کے بعد کیا سرپیٹ لینے کو جی نہیں چاہتا کہ ہم اہل کراچی اپنے گھر کے پچھواڑے کو گندی گلی کہتے ہیں اور ہم میں سے اکثر اسے کوڑا کرکٹ سے آباد رکھتے ہیں۔ المیہ تو یہ ہے کہ اسے بہتر کرنے کی کوشش بھی نہیں کرتے اور اسے خوش دلی سے قبول بھی کر لیتے ہیں۔

شام ہوئی تو مہمانوں کی آمد شروع ہوگئی۔ معروف صحافی، ممتاز قلم کار، باکمال شاعر، لاجواب افسانہ نگار، غیر معمولی کالم نگار، معروف ٹی وی پروڈیوسر اور نہ جانے کیسے کیسے قیمتی مہمان آنا شروع ہوئے اور آتے چلے گئے۔ ہر مہمان موتی اور نگینوں کی طرح تھا۔ انور خواجہ صاحب سے تو میکے کا رشتہ نکل آیا۔ وہ میری آمد سے قبل پی ٹی وی پہ پروڈیوسر تھے۔ عبیداللہ بیگ اور افتخار عارف کا مشہور زمانہ پروگرام ''کسوٹی'' بھی انہی کی کاوشوں کا حاصل تھا۔ دیر تک پی ٹی وی کی یادوں کے سُر چھڑے رہے، ہم دیر تک محظوظ ہوتے رہے۔ میں پی ٹی وی کو اکثر اپنا میکا کہتا ہوں۔ میری پہلی ملازمت پاکستان ٹیلی ویژن میں ہی تھی۔ پروڈکشن کے سبھی اسباق میں نے اسی ادارے سے سیکھے۔

اس محفل میں تابش خان زادہ اور ناظمہ خانزادہ بھی آئے ہوئے تھے۔ تابش صاحب پیشے کے اعتبار سے تو سائنس دان ہیں مگر خوب صورت شعر بھی کہتے ہیں اور کالم نگاری بھی خوب کرتے ہیں۔ ڈاکٹر امداد اچھے فزیشن ہیں اور انسانی خدمات کے حوالے سے حکومت امریکا انھیں ایوارڈ بھی عطا کر چکی ہے۔ ان کی اہلیہ پروین امداد ماہر غذائیت ہونے کے علاوہ اچھی قلم کار بھی

ہیں۔احباب میں کس کس کا ذکر کروں، ثنا خان نے کیلی فورنیا کے نہایت قیمتی لوگوں کو چن چن کر بلایا ہوا تھا اور اس روز تو ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے سچ مچ پاکستان امریکہ میں اتر آیا ہو۔

واضح رہے کہ ثنا خان خود بہت اچھی ادیبہ اور کالم نگار ہیں۔ان کے کالم اور مضامین آئے دنوں اخبارات و جرائد میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ان کی ایک کتاب ''السلام علیکم امریکا'' اشاعت کے بعد ادبی حلقوں میں کافی پذیرائی حاصل کر چکی ہے۔جب کہ دوسری کتاب اشاعت کے مراحل میں ہے۔

ثنا خان نے مہمانوں کی آمد پر جس پر تکلف دعوت کا اہتمام کیا اس کا تذکرہ نہ کرنا کفران نعمت اور ذکر کرنا شکران نعمت کے زمرے میں آتا ہے۔سو خوش رہیے ثنا خان اور وسیم بھائی۔دعا ہے کہ اس دسترخوان پر رحمتیں اور برکتیں یوں ہی برستی رہیں۔آمین

نصف شب تک گفتگو کا سلسلہ چلتا رہا۔محفل نے کئی رنگ بدلے۔اجنبیت کم ہوئی تو قہقہے بھی گونجے اور غزلیں بھی مہکیں۔خوب صورت کلام سننے کو ملا اور ایسے لگا جیسے یہ شب، رات کی رانی کے ساتھ مل کر مہکنے لگی ہو۔مجھے اندازہ نہ تھا کہ ایسے باکمال لوگوں سے میری ملاقات ہونے والی ہے اور وہ بھی امریکہ میں۔اس روز تابش خان زادہ اور ظفر عباس صاحب نے محفل لوٹ لی۔کچھ کلام ہم نے بھی پیش تو کیا مگر چونکہ ہمیں ابھی مستند شاعر ہونے کا تصدیق نامہ نہیں ملا اس لیے ہمارا سلسلۂ کلام محدود ہی رہا۔تاہم احباب سے داد پائی اور کھُل کر احباب کو داد دی۔اس خوب صورت محفل کے کس کس شریک کا تذکرہ کروں سبھی مہمان لائق تکریم تھے۔ثنا اور وسیم بھائی خود جتنے اچھے ہیں انھوں نے اپنے گرد محبت کرنے والوں کا حلقہ بھی اتنا ہی اچھا بنا رکھا ہے۔

مہمان چلے گئے تو ہم نے بھی نیند کی ردا اوڑھ لی۔

دوسرح صبح لاس اینجلس کے کسی اور حصے میں کوئی اور منتظر تھا۔مگر کون؟ سفرنامے کی دوسری دلچسپ قسط انشاءاللہ آیندہ ماہ۔

بغداد کا تاجر

ناصر محمود فرہاد

عراق کے شہر بغداد میں علی نام کا ایک تاجر رہا کرتا تھا۔ وہ تجارت کے سلسلے میں دوسرے ممالک کا سفر کرتا رہتا تھا۔ ایک ملک سے سامان خریدتا اور دوسرے ملک میں فروخت کر دیتا اور منافع کماتا۔ ایک دفعہ اسے لمبے سفر پر جانا پڑا تو اس نے اپنے گھر کا سارا سامان فروخت کر دیا اور مکان کرایہ پر دے دیا۔ اب اس کے پاس سونے کی ایک ہزار اشرفیاں تھیں اور اسے ایک ایسی جگہ کی ضرورت تھی جہاں وہ یہ ساری رقم بہ حفاظت چھپا سکے اور واپسی پر اسے مل بھی جائے۔ کافی سوچ بچار کے بعد اس نے ایک بڑا سا مرتبان لیا اپنی ساری اشرفیاں اس میں ڈالیں اور ان کے اوپر زیتون بھر دیے

پھر اس مرتبان کا منھ مضبوطی سے بند کر دیا اور وہ مرتبان اپنے ایک تاجر دوست کے پاس لے گیا اور اس سے کہنے لگا: ''میرے دوست جیسا کہ تم جانتے ہو میں ایک دو روز میں اپنے سفر پر روانہ ہو جاؤں گا، اس لیے میں تم سے درخواست کرتا ہوں کہ تم میری واپسی تک یہ زیتون سے بھرا مرتبان اپنے پاس امانتاً رکھ لو۔ واپسی پر میں تم سے یہ لے لوں گا۔''

تاجر دوست نے وعدہ کر لیا اور خوش دلی سے بولا: ''یہ لو میرے گودام کی چابی اور تم خود ہی جا کر یہ مرتبان گودام کے اندر جہاں دل چاہے وہاں رکھ دو اور یقین رکھو کہ جب تم واپس آؤ گے تو تمھیں یہ وہیں پڑا ملے گا اور تم خود ہی اس کو وہاں سے جا کر اٹھاؤ گے تمہاری غیر موجودگی میں کوئی اس کو ہاتھ بھی نہیں لگائے گا۔''

علی خوش ہو گیا۔ مرتبان اپنے دوست کے گودام میں رکھ کر چابیاں اسے واپس کیں اور خود اپنے لمبے سفر پر روانہ ہو گیا۔ علی کا سفر اس کی توقع سے زیادہ طویل ہو گیا اور وہ پورے سات برس تک بغداد سے باہر رہا۔

اس سارے عرصے کے دوران اس کے تاجر دوست نے جس کے پاس علی نے مرتبان امانتاً رکھوایا تھا وہ علی اور اس کے مرتبان دونوں کو تقریباً بھول ہی گیا اور اس کو وہ مرتبان یاد بھی نہ رہا جو علی اس کے گودام میں رکھ کر گیا تھا۔ ایک شام وہ تاجر اپنے بیوی بچوں کے ساتھ بیٹھا رات کا کھانا کھا رہا تھا تو باتیں کرتے کرتے اچانک زیتون کا ذکر آ گیا۔ تاجر کی بیوی حسرت بھرے لہجے میں بتانے لگی کہ اس نے کافی عرصے سے زیتون نہیں چکھے بلکہ اب تو وہ ان کا ذائقہ ہی بھول گئی ہے۔

جونہی اس کی بیوی نے زیتون کا ذکر کیا تو تاجر کو علی کا مرتبان یاد آ گیا اور وہ بولا۔ ''تمہاری باتوں سے مجھے یاد آ گیا ہے میرا ایک تاجر دوست علی سات سال پہلے میرے پاس زیتون سے بھرا ایک مرتبان امانتاً رکھوا گیا تھا اور کہہ گیا تھا کہ واپسی پر لے لے گا مگر اب تو سات سال گزر گئے اور اس

کی کوئی خیر خبر نہیں آئی۔ معلوم نہیں اب وہ زندہ بھی ہے یا نہیں۔ آخری دفعہ جو قافلہ واپس آیا تھا اس نے بتایا کہ علی مصر چلا گیا ہے اس کے بعد سے آج تک اس کا علم نہیں۔ اس لیے میرا خیال ہے کہ اب ہمیں اس کے وہ زیتون استعمال کر لینے چاہئیں۔''

پھر وہ اپنی بیوی سے کہنے لگا۔'' مجھے ایک چراغ اور ایک طشتری پکڑاؤ میں گودام میں جا کر اس مرتبان میں سے چند زیتون نکال لاتا ہوں۔''

''ارے نہیں.....'' اس کی بیوی ایک دم پریشان ہوگئی۔'' ایسا کام مت کرو..... یہ امانت میں خیانت ہو جائے گی۔ کسی کا بھروسہ توڑنا بہت بڑا گناہ ہے تم کیوں چند زیتونوں کے لیے اپنا ایمان خراب کرتے ہو۔ اس کے علاوہ جب علی واپس آئے گا اور مرتبان کا منھ کھلا پائے گا تو وہ تمہارے متعلق کیا سوچے گا۔ میری مانو تو اس کا خیال دل سے نکال دو۔''

اس کی بات سن کر تاجر اس وقت تو خاموش ہو گیا لیکن کھانا کھانے کے بعد جب وہ سب سونے کے لیے لیٹے تو تاجر چراغ لے کر گودام میں داخل ہوا۔ اس نے بہ مشکل علی کا مرتبان تلاش کیا اور جب اس کا منھ کھولا تو علم ہوا کہ اوپر والے زیتون خراب ہو چکے تھے۔ یہ معلوم کرنے کے لیے کہ کیا سارے زیتون خراب ہو چکے ہیں یا نیچے والے ابھی ٹھیک ہیں اس نے مرتبان کو ہلا کر دیکھنا چاہا۔ جونہی اس نے ایسا کیا اس کو اشرفیاں کھنکنے کی آواز سنائی دی۔ وہ فوراً سمجھ گیا کہ اس مرتبان میں صرف اوپر ہی زیتون ہیں اور نیچے سونے کی اشرفیاں ہیں۔ اوپر سے زیتون ہٹائے تو نیچے واقعی اشرفیاں نظر آئیں۔ اس نے فوراً زیتون واپس مرتبان کے اندر ڈالے اور اس کا منھ پہلے کی طرح بند کیا اور اپنے کمرے میں واپس آ گیا۔

اگلے چند روز تاجر اس کشمکش میں رہا کہ وہ علی کی ان اشرفیوں کو استعمال کرے یا نہیں۔ اگر استعمال کر لے اور اس کا دوست علی واپس آ جائے اور اپنا مرتبان واپس مانگے تو وہ کیا جواب

دے گا۔ کافی دن وہ اسی کے متعلق سوچتا رہا۔ شیطان اسے امانت میں خیانت کرنے پر اکساتا رہا اور اسے نت نئی ترکیبیں سجھاتا رہا۔ اس کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ علی نے تو مجھے اشرفیوں کے متعلق بتایا ہی نہیں اس نے صرف زیتون کا ذکر کیا تھا اس لیے وہ اشرفیوں کا مطالبہ نہیں کرسکتا۔ یہ سوچ کر وہ تاجر اگلے روز بازار گیا اور وہاں سے کچھ زیتون خرید کر چپکے سے گودام میں گیا۔ سارا مرتبان خالی کیا اشرفیاں اپنے پاس رکھ لیں پرانے زیتون پھینک دیے اور پھر سارا مرتبان اپنے خریدے گئے زیتونوں سے بھر کر اس کا منھ حسب سابق بند کر دیا اور اس کو اسی جگہ واپس رکھ دیا جہاں علی رکھ کر گیا تھا۔

تقریباً مہینا گزرا ہوگا کہ علی واپس بغداد پہنچ گیا۔ اگلی ہی صبح وہ اپنے تاجر دوست کے ہاں پہنچا اسے دیکھ کر تاجر ہکا بکا رہ گیا اور دل ہی دل میں پریشان ہوگیا، مگر بہ ظاہر اس کی واپسی پر اپنی خوشی کا اظہار کیا۔ کچھ دیر دونوں ایک دوسرے کا حال احوال پوچھتے رہے اور علی اپنے طویل سفر کی مختصر روداد سنانے کے بعد اپنے دوست تاجر سے کہنے لگا۔ میرے دوست اب براہ مہربانی میرا وہ زیتون کا مرتبان واپس کر دو جو میں جاتے ہوئے تمہارے گودام میں رکھ گیا تھا۔ تم نے کئی سال میری اس امانت کی حفاظت کی جس کے لے میں تمہارا ممنون ہوں۔''

تاجر اس کی بات سن کر قدرے پریشان ہوا، مگر اپنے منصوبے کے مطابق کہنے لگا: ''میرے دوست! تمھارا مرتبان بالکل محفوظ ہے یہ لو میرے گودام کی چابی اور جا کر وہیں سے اپنا مرتبان اٹھالو جہاں تم جاتے ہوئے خود رکھ کر گئے تھے۔''

علی خوشی خوشی تاجر کے گودام میں گیا اپنا مرتبان وہاں سے اٹھایا چابی اپنے دوست کو واپس کی اور اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اس سرائے میں واپس آ گیا جہاں وہ ٹھہرا ہوا تھا۔ اپنے کمرے میں آ کر اس نے مرتبان کا منھ کھولا اور اوپر سے کچھ زیتون ہٹا کر نیچے اشرفیوں کی تلاش میں ہاتھ

ڈالا، مگر جہاں تک ہاتھ گیا زیتون ہی ملے اشرفیوں کا نام ونشان تک نہ تھا۔ اس نے سارا مرتبان ایک برتن میں الٹ گیا مگر وہ تو سارے زیتون ہی تھے ایک بھی اشرفی نہیں نکلی۔ یہ دیکھ کر وہ گھبرا گیا اور چند لمحے بت بنا اپنی جگہ بیٹھا رہا پھر چیخنے لگا۔ ''یہ ناممکن ہے..... یہ ناممکن ہے۔''

جب حواس ذرا بحال ہوئے تو علی الٹے پاؤں اپنے تاجر دوست کی طرف بھاگا اور جاتے ہی کہنے لگا۔ ''میرے دوست.....تم مجھے اتنی جلدی واپس دیکھ کر پریشان تو ہوگے اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ یہ مرتبان میرا ہی ہے اور یہ اسی جگہ رکھا تھا جہاں میں رکھ کر گیا تھا، مگر حقیقت یہ ہے کہ اس میں صرف زیتون نہیں تھے ان کے نیچے میں نے ایک ہزار سونے کی اشرفیاں رکھی تھیں، جو اب مجھے وہاں نہیں ملیں۔ ہوسکتا ہے تم نے انہیں اپنے کاروبار میں کسی وجہ سے استعمال کرلیا ہو اگر ایسا ہے تو براہ مہربانی اب مجھے میری وہ اشرفیاں واپس کردو۔''

تاجر پہلے ہی جانتا تھا کہ علی مرتبان کھولنے کے بعد اس کے پاس یہ شکایت لے کر ضرور آئے گا اور اس نے اس کا جواب بھی سوچ رکھا تھا لہٰذا وہ کہنے لگا۔ ''میرے دوست علی! سات سال پہلے جب تم اپنا مرتبان میرے پاس لے کر آئے تو کیا میں نے اسے چھوا تھا؟۔ کیا میں نے تمہیں اپنے گودام کی چابی نہیں دے دی تھی کہ تم خود ہی اسے اپنی مرضی کی جگہ پر رکھ دو اور کیا واپسی پر تم نے اسے وہیں سے نہیں اٹھایا تھا اور کیا اس کا منہ ویسا ہی بند نہیں تھا جیسا تم اپنے ہاتھوں سے کر گئے تھے اور اب تم آ کر ایک ہزار سونے کی اشرفیوں کا مطالبہ کر رہے ہو۔ کیا تم نے مجھے پہلے بتایا تھا کہ اس مرتبان میں سونے کی اشرفیاں ہیں؟۔ میں تو خدا کا شکر ادا کر رہا ہوں کہ تم نے ہیرے اور موتیوں کا مطالبہ نہیں کر دیا۔ یہ تمہارے لیے آسان ہے کہ تم مجھ پر الزام لگا دو۔ اب مجھے پریشان مت کرو، نہ ہی میری بے عزتی کرو۔ اس طرح تم میری نیک نامی اور کاروباری ساکھ کو نقصان پہنچا رہے ہو۔ اب چلے جاؤ یہاں سے۔''

تاجر نے یہ الفاظ اتنے غصے میں چیختے ہوئے ادا کئے کہ آس پاس لوگ اکٹھے ہو گئے اور تماشا دیکھنے لگے۔علی نے اپنے ساتھ ہونے والی بے انصافی اور امانت میں خیانت کا سب کو بتایا جو تاجر نے کی تھی مگر تاجر بھی غصے سے چیختے ہوئے اس الزام کی نفی کرتا رہا۔

جب تاجر نے علی کی ایک نہ چلنے دی تو وہ کوئی چارہ نہ پا کر سیدھا عدالت پہنچا اور قاضی صاحب کے روبرو سارا معاملہ رکھ دیا۔قاضی صاحب نے اسی وقت تاجر کو عدالت میں طلب کر لیا۔اس کے سامنے علی نے قاضی صاحب کو سارا ماجرا کہ سنایا کہ اس تاجر نے اس کی ایک ہزار سونے کی اشرفیاں چرالی ہیں جو وہ اس کے پاس امانتاً رکھوا گیا تھا۔تاجر نے یہاں بھی اس الزام کو ماننے سے انکار کر دیا۔قاضی نے علی سے پوچھا:''کیا تمہارے پاس اس بات کا کوئی گواہ ہے۔''

علی نے جواب دیا کہ اسے اپنے تاجر دوست پر اعتماد تھا اس لیے اس نے یہ احتیاط نہیں کی تھی اور اسے ایماندار اور دوست سمجھ کر امانت حوالے کر دی تھی۔

تاجر بولا۔''یہ سچ ہے کہ علی اس کے گودام میں ایک مرتبان رکھ کر گیا تھا مگر اس نے کبھی یہ دیکھنے کی جستجو نہیں کی کہ اس میں کیا ہے۔وہ صرف یہ جانتا تھا کہ اس مرتبان کے اندر زیتون ہیں۔اب علی اس کو عدالت میں گھسیٹ کر اس کی شہرت کو نقصان پہنچا رہا ہے۔''اس کے بعد قاضی صاحب کے کہنے پر اس نے حلف اٹھایا کہ اس نے علی کی سونے کی اشرفیاں نہیں لیں اور نہ ہی ان کے متعلق کچھ جانتا ہے۔قاضی صاحب اس کا حلف قبول کیا اور تاجر کی بات کا یقین کرتے ہوئے گواہوں کی عدم موجودگی کی وجہ سے تاجر کو بے گناہ قرار دے کر اسے گھر جانے کی اجازت دے دی۔

قاضی صاحب کے اس فیصلے اور اپنی اتنی بڑی رقم کے نقصان پر علی بہت زیادہ پریشان تھا مگر اس نے ہار نہ مانی وہ عدالت سے نکلا اور ساری رات اس مسئلے پر سوچتا رہا۔صبح ہونے سے پہلے ہی اس نے ایک فیصلہ کر لیا اور اگلے دن صبح سویرے وہ بادشاہ کے دربار میں پہنچ گیا اور اس کے

سامنے اپنا سارا معاملہ بیان کر دیا۔ بادشاہ نے علی کو دوسرے روز صبح دربار میں دوبارہ حاضر ہونے کا حکم دیا اور ساتھ ہی اس تاجر کو بھی طلب کرنے کا حکم جاری کر دیا۔

اگلے روز جب شاہی حکم کے مطابق علی اور تاجر دربار شاہی میں خلیفہ کے سامنے پیش ہوئے۔

خلیفہ نے علی اور تاجر دونوں کی بات غور سے سنی تاجر نے حسب معمول اپنا بے گناہ ہونے کا حلف پیش کرنا چاہا اور قسم اٹھانے لگا کہ وہ سچا ہے تو بادشاہ نے کہا: ''حلف اٹھانے میں اتنی جلدی مت کرو مناسب ہے کہ پہلے ہم اس مرتبان کو اندر سے دیکھ لیں۔''

یہ الفاظ سن کر علی آگے بڑھا اور اس نے وہ مرتبان بادشاہ کے قدموں میں رکھ دیا۔ بادشاہ نے تاجر سے پوچھا: ''کیا یہ وہی مرتبان ہے جو علی نے سات سال پہلے تمہارے گودام میں امانتاً رکھوایا تھا۔''

تاجر نے اقرار میں سر ہلا دیا۔ بادشاہ نے مرتبان کے اندر جھانکا ایک زیتون اٹھایا اور اس کو چکھ کر دیکھا۔ اس کے بعد کسانوں کو طلب کیا گیا انہوں نے بھی زیتون کا معائنہ کیا اور تصدیق کی کہ یہ بالکل تازہ اور درست حالت میں ہیں اور زیادہ پرانے نہیں ہیں۔

بادشاہ نے کہا: ''مگر علی تو کہتا ہے کہ یہ زیتون سات سال پہلے اُس نے اِس مرتبان میں رکھے تھے اس کا مطلب ہے اس مرتبان کو یقیناً کھولا گیا ہے۔''

تاجر نے جب دیکھا کہ کسانوں کا بیان اس کے خلاف ہے تو اپنی جان بچانے کے لیے اس نے اپنے جرم کا اقرار کر لیا اور وہ جگہ بتا دی جہاں اس نے علی کی سونے کی ایک ہزار اشرفیاں چھپائی تھیں۔ وہ رقم فوراً تلاش کر کے علی کے حوالے کر دی گئی۔

بادشاہ نے تاجر سے کہا: ''تم نے یہ اچھا کیا کہ اپنے جرم کا اقرار کر لیا ہے اور رقم واپس کر دی ہے ورنہ اس جرم میں تمہیں دس سال قید کی سزا کے ساتھ ساتھ سو کوڑے بھی مارے جاتے۔''

علی خلیفہ اور اس کے انصاف کو دعائیں دیتا دربار سے رخصت ہو گیا۔

بلاعنوان انعامی کہانی

بنتِ محمد اقبال

''حمدان بیٹا! اگر ٹھنڈ لگ رہی ہے تو اندر جا کر پڑھ لو۔'' امی نے حمدان کو کمبل لپیٹے، برآمدے میں پڑھتے دیکھا تو بولیں۔

''نہیں امی! میں یہاں بالکل ٹھیک ہوں۔'' حمدان بولا۔

حمدان کے نویں جماعت کے امتحانات ہو رہے تھے، چوں کہ آج صبح سے بارش ہو رہی تھی، اس لیے وہ کمرے میں پڑھائی کر رہا تھا۔ جب بارش کا زور ٹوٹ گیا اور اس کی بہن صدف اور چھوٹا

بھائی کامران بارش کی وجہ سے برآمدے میں کھیلتے کھیلتے۔ باہر چلے گئے تو حمدان پڑھائی کے ساتھ دل فریب موسم سے لطف اندوز ہونے کے لیے برآمدے میں بیٹھ گیا تھا۔

اسے برآمدے میں بیٹھے ابھی تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ صدف اور کامران تیزی سے گھر میں داخل ہوئے اور آن کی آن میں امی سے لپٹ کر بولے: ''امی، امی! ہمیں پکوڑے بنا کر دیں۔''

''بیٹا! آج تو نہیں بنا سکتی، بیسن ختم ہو چکا ہے۔'' امی نے جواب دیا۔

''تو ہم کریانے والے چچا غفور سے اُدھار لے آئیں گے نا!'' کامران نے تجویز دی۔

''نہیں بیٹا! ان سے پہلے ہی بہت اُدھار لے چکے ہیں۔ ویسے بھی مہینے کے آخری دن چل رہے ہیں، جب تمھارے ابا کو تنخواہ ملے گی تو میں تم لوگوں کو ڈھیر سارے پکوڑے بنا کر دوں گی۔'' امی پیار سے سمجھاتے ہوئے بولیں۔

''نہیں امی! پکوڑوں کا اصل مزہ تو بارش میں آتا ہے۔'' صدف بولی۔

''ہاں امی! بس ہمیں ابھی پکوڑے کھانے ہیں۔ نمرا چچی نے بھی تو آج پکوڑے بنائے ہیں۔ ابھی وہ سہیل کو پکوڑے کھانے کے لیے بُلا رہی تھیں۔'' کامران نے ضد کی وجہ آخر بتا ہی دی۔

''اچھا! تو یہ بات ہے۔ بیٹا! ان کے گھر بیسن ختم نہیں ہوا ہوگا۔'' امی نے بچوں کو ٹالنے کی کوشش کی۔

''تو امی! مہینے کے آخر میں ہر چیز ہمارے گھر ہی کیوں کم پڑ جاتی ہے۔ ہمارا تو مہینے کے آخر میں جیب خرچ بھی بند ہو جاتا ہے، جب کہ سہیل کے ساتھ ایک بار بھی ایسا نہیں ہوا۔ اسے مہینے کے شروع میں جتنا جیب خرچ ملتا ہے، مہینے کے آخر میں بھی اتنا ہی ملتا ہے۔'' صدف ناراضی سے بولی تو حمدان جو کافی دیر سے سب کچھ سن رہا تھا، بول پڑا: ''ہاں! تو سمیع چچا اور ابو جی کے عہدے کا فرق بھی تو دیکھو۔ سمیع چچا ایک اعلا تعلیم یافتہ، بڑے سرکاری افسر ہیں، جب کہ ہمارے ابو جی ایک دسویں پاس معمولی سے کلرک! اگر ابو جی نے بھی دسویں کے بعد آگے پڑھ لیا ہوتا تو شاید

ہمارے حالات بھی بہتر ہوتے اور ہم ایک دو پکوڑوں کے لیے نہ ترس رہے ہوتے۔''

اچانک حمدان کے منہ پر امی کا زوردار تھپڑ پڑا۔

''بدتمیز! یہ سب اپنے ابو کے متعلق کہہ رہے ہو۔''

امی نے حمدان کی بات ختم ہوتے ہی ایک زوردار تھپڑ اس کے منہ پر جڑ دیا اور ابھی دوبارہ ہاتھ اُٹھانے والی تھیں ابو بیچ میں آ گئے۔

''کیا کر رہی ہو بیگم!''

''آپ نے سنا نہیں، یہ بدلحاظ کیا کہہ رہا تھا؟''

''میں سب سن چکا ہوں، لیکن بیگم! اس نے لاعلمی کی وجہ سے یہ سب کہا ہے۔'' ابو نے حمدان کو خود سے لپٹاتے ہوئے جواب دیا۔

''تو آگاہ کریں نا اس کو حقیقت سے۔ بتائیں اس کو کہ اوروں کو کام یاب بناتے بناتے آپ اپنی اولاد کی نظر میں مجرم بن گئے ہیں۔'' امی یہ کہتے ہوئے بھیگی آنکھوں کے ساتھ پاس پڑی کرسی پر بیٹھ گئیں۔

صدف اور کامران بھی حمدان اور ابو کے ساتھ چارپائی پر بیٹھ گئے۔ جب سب بیٹھ چکے تو ابو نے کہنا شروع کیا: ''بیٹا! میں میٹرک پاس ایک کلرک ضرور ہوں، لیکن میری دسویں کے بعد تعلیم حاصل نہ کرنے کی وجہ میری سستی یا کام چوری نہیں، بلکہ میرے حالات تھے۔ تمھارے دادا ایک محنت کش انسان تھے۔ میں بہن بھائیوں میں سب سے بڑا تھا۔ میں نے دسویں تک بہت محنت سے پڑھا اور اچھے نمبروں سے امتحان پاس کر کے تعلیمی وظیفہ بھی حاصل کر لیا اور کسی اچھے کالج میں داخلے کے خواب دیکھنے لگا۔ میرے خواب اس وقت ٹوٹ کر بکھر گئے جب ایک دن ابا کام کے دوران چوتھی منزل سے گر کر اللہ میاں کے پاس چلے گئے۔'' یہ کہہ کر ابو نے گہری سانس لی اور

دوبارہ کہنا شروع کیا:

''ابا کے جانے کے بعد گھر کی تمام ذمے داری میرے کندھوں پر آ گئی تھی۔ مجھے آگے پڑھنے کا بہت شوق تھا اور میں اس شوق کو پورا کرنے کے لیے صبح پڑھائی کے بعد شام کو کہیں نوکری بھی کرسکتا تھا، لیکن اس صورت میں تمھارے سمیع چچا اور رابعہ پھوپھو کے تعلیمی اخراجات پورے نہ ہوتے اور وہ تعلیم کے زیور سے محروم رہ جاتے۔ لہٰذا میں نے اپنی پڑھائی کو ان کے روشن مستقبل پر قربان کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ میں نے چوں کہ دسویں جماعت اچھے نمبروں سے پاس کی تھی، اس لیے جلد ہی ایک سرکاری ادارے میں کلرک بھرتی ہوگیا۔ گھر کے دیگر اخراجات پورے کرنے کے لیے میں شام کے وقت ایک ہوٹل پر کام کرنے لگا۔''

''پھر کیا ہوا ابو جی!'' ابو سانس لینے رکے تو صدف بے چینی سے بولی۔

''پھر تمھارے سمیع چچا پڑھ لکھ کر بڑے افسر بن گئے اور تمھاری رابعہ پھوپھو کی شادی ہوگئی اور میں بڑے بھائی کا فرض ادا کر کے مطمئن ہوگیا۔''

اتنا کہہ کر ابو نے ایک نظر سب کے سنجیدہ چہروں پر ڈالی اور پھر بولے: ''بیٹا! میں نے یہ سب کسی بدلے یا لالچ میں نہیں کیا تھا، بلکہ صرف اور صرف اللہ کی رضا کے لیے کیا تھا۔ یہی میری منزلِ مقصود تھی۔ اس کا ذکر کبھی تم لوگوں سے اس لیے نہیں کیا، کیوں کہ مجھے ڈر تھا کہ کہیں اس سے میرے خلوص میں کھوٹ نہ آ جائے اور کہیں تم یہ نہ سوچو کہ میں نے تو اپنے بہن بھائی کے لیے بہت کچھ کیا ہے، جب کہ وہ تو مجھے پلٹ کر پوچھتے بھی نہیں۔''

''مجھے معاف کر دیں ابو جی! میں بہت بُرا ہوں جو آپ جیسے عظیم انسان سے بدگمان ہوگیا تھا۔ پلیز مجھے معاف کر دیں۔'' حمدان ہاتھ جوڑے، برستی آنکھوں کے ساتھ ابو سے معافی مانگ رہا تھا۔

''نہیں میرے بچے! تم بہت اچھے ہو اور میں تو تم سے ناراض ہوا ہی نہیں، پھر معافی کیسی؟ بس اس

بات کا ہمیشہ خیال رکھنا کہ کسی کے بارے میں سوچو تو اچھا سوچو، بُری سوچ سے ہمیشہ خود کو بچاؤ۔''

ابو، حمدان کے آنسو صاف کرتے ہوئے بولے تو کامران دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے بولا:

''ابو جی! سم..... سمیع چچا!'' کامران کی آواز پر سب نے دروازے کی طرف دیکھا تو سمیع چچا اور نمرا چچی دروازے کے پیچھے کھڑے دکھائی دیے۔ چچا کے ہاتھ میں گرم پکوڑوں کی ایک پلیٹ تھی، جو برآمدے میں پہنچ کر انھوں نے میز پر رکھ دی اور نظریں فرش پر جما کر بولے: ''بھائی جان! آپ میرے محسن ہیں۔ آپ ہی کی وجہ سے میں اس مقام تک پہنچا ہوں، لیکن ایک کام یاب انسان بننے کے لیے بعد میں نے نہ صرف آپ کے تمام احسانات کو بھلا کر آنکھیں بھی پھیر لیں، مگر بھائی جان! آج آپ کی گفتگو سن کر میرا ضمیر بیدار ہو گیا ہے۔ میں بہت ندامت کے ساتھ آپ سے معافی مانگتا ہوں۔ مجھے معاف کر دیں۔''

چچا کی بات سن کر ابو نے اپنے ہاتھ ان کے کندھوں پر رکھے اور بولے: ''سمیع! تم تو بھول گئے تھے، مگر میں تمھیں نہیں بھولا اور تم تو میرے لیے میرے حمدان جیسے ہو۔ آج جب میں نے تمھیں اپنے گھر میں دیکھا تو اسی لمحے میرے دل سے تمھارے لیے تمام گلے شکوے دور ہو گئے۔''

پھر ابو اور چچا ایک دوسرے کے گلے لگ گئے اور سب کی آنکھیں آنسو برسانے لگیں۔

''ارے بھئی! پکوڑے ٹھنڈے ہو رہے ہیں۔ آپ سب بیٹھیں، میں چائے بنا کر لائی۔'' امی آنسو صاف کرتے ہوئے بولیں اور پھر نمرا چچی کو ساتھ لے کر باورچی خانے کی جانب بڑھ گئیں۔

بچے کھیلنے لگے جب کہ ابو اور چچا خوش گپیوں میں مصروف ہو گئے۔

حمدان مسکراتے چہرے کے ساتھ، میز پر رکھے ان انمول پکوڑوں کو دیکھ رہا تھا، جو کئی سالوں کی دوریاں مٹانے کا سبب بنے تھے۔

انعامی سلسلہ ۲۸۵

معلومات افزا

س۔ف

درجِ ذیل ۱۰ سوالات کے جوابات **۱۵ر ستمبر ۲۰۱۹ء** سے قبل بھجوا دیں۔ جواب کے ساتھ کوپن کا آنا ضروری ہے۔ تمام درست جواب دینے والے پندرہ نونہال انعام کے حق دار ٹھہریں گے۔ تعداد زیادہ ہونے کی صورت میں انعام کا فیصلہ قرعہ اندازی کے ذریعے کیا جائے گا۔

۱ اُمہات المومنین میں صرف حضرت اُمِ سلمٰیؓ ہی سانحہ کربلا کے وقت زندہ تھیں۔

۲ ''سناگوگ''.....کی عبادت گاہ ہے۔ (پارسیوں ۔ یہودیوں ۔ عیسائیوں)

۳ فرعونوں کے آخری خاندان میں بطلیموسی دور کی آخری ملکہ.....تھی۔ (نفرتینی ۔ قلوپطرہ ہفتم ۔ سیتاشری)

۴ ادیب، محقق اور مورخ ڈاکٹر جمیل جالبی.....میں پیدا ہوئے تھے۔ (علی گڑھ۔ دہلی۔ حیدرآباد دکن)

۵ مشہور کتاب ''فرینڈز ناٹ ماسٹرز'' صدر پاکستان.....کی سوانح عمری ہے۔

(اسکندر مرزا ۔ ذوالفقار علی بھٹو ۔ محمد ایوب خان)

۶ مشہور شہر ''کاسابلانکا''.....میں ہے۔ (مراکش ۔ تیونس ۔ قبرص)

۷ اسپین کی کرنسی.....کہلاتی ہے۔ (کواچا ۔ پسیٹا ۔ کرونا)

۸ ''سید محمد حسین''، مشہور شاعر.....کا اصل نام ہے۔ (استاد قمر جلالوی ۔ صفی لکھنوی ۔ شوق قدوائی)

۹ اردو زبان کا ایک محاورہ یہ ہے: ''سانپ کے منھ میں.....'' (کبوتر ۔ چمگادڑ ۔ چھچھوندر)

۱۰ حضرت داغ دہلوی کے اس شعر کا دوسرا مصرع مکمل کیجیے:

نہیں کھیل، اے داغ! یاروں سے کہہ دو کہ آتی ہے.....زباں آتے آتے

(پشتو ۔ اردو ۔ بنگالی)

کوپن برائے معلومات افزا نمبر ۲۸۵ (ستمبر ۲۰۱۹ء)

نام : _____

پتا : _____

عمر : _____ تعلیم : _____

کوپن برائے بلاعنوان انعامی کہانی (ستمبر ۲۰۱۹ء)

عنوان : _____

نام : _____

پتا : _____

عمر : _____ تعلیم : _____

کوپن برائے نام بوجھیے (ستمبر ۲۰۱۹ء)

نام شخصیت : _____

نام نونہال : _____ عمر : _____ تعلیم : _____

پتا : _____

ایک کوپن، ایک نونہال کے لیے ہے۔ ایک ہی عنوان لکھیے۔
اپنا پتا صاف اور خوش خط لکھیے۔ کوپن کو A4 سائز کے کاغذ پر چسپاں کیجیے اور
۱۵ ستمبر ۲۰۱۹ تک بھجوا دیجیے۔

ہمدرد فری موبائل ڈسپنسری

ہمدرد فری موبائل ڈسپنسری ہمدرد فاؤنڈیشن کے فلاحی کاموں کا ایک حصہ ہے۔ ہر مہینے پورے پاکستان میں ہزاروں مریضوں کا مفت طبی معائنہ کرنے کے بعد مفت ادویات بھی دی جاتی ہیں۔ یہ فری موبائل ڈسپنسریاں کراچی، لاہور، ملتان، بہاول پور، فیصل آباد، سرگودھا، راولپنڈی، پشاور، کوئٹہ، سکھر، حیدرآباد اور آزاد کشمیر میں مستحق مریضوں کے لیے مخصوص ہیں۔

کراچی کے لیے چھے گاڑیاں درجِ ذیل علاقوں میں خدمت پر مامور ہیں

غازی آباد، گلشن بہار، اورنگی نمبر 13، قائم خانی کالونی، بلدیہ ٹاؤن، نیو کراچی سیکٹر D-11، سیکٹر F-11، نئی آبادی، یوسف گوٹھ، لیاری ایکسپریس وے، خدا کی بستی، کورنگی نمبر 2، کورنگی سو کوارٹرز، کورنگی نمبر 4، ونگی گوٹھ، محمود آباد، عمر گوٹھ، ایوب گوٹھ، مدرسہ انوارالایمان، سلطان آباد، مدرسہ منبع العلوم، وھیل کالونی، اکبر گراؤنڈ، مہاجر کیمپ، بلدیہ ٹاؤن نمبر 3، شفیع محلّہ (لال مسجد)، نور شاہ محلّہ، مواچھ گوٹھ، بلدیہ ٹاؤن نمبر 7، مشرف کالونی بلاک سی، ایف، ای اور اے روڈ، لیاقت آباد پیلی کوٹھی، کوثر نیازی کالونی، مجید کالونی اور ملیر۔

کام کی باتیں

روزانہ ایک سیب کھانے سے آپ کو ڈاکٹر کے پاس جانے کی ضرورت نہیں پڑتی۔

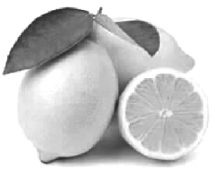

روزانہ ایک لیموں استعمال کرنے سے موٹاپے سے بچا جاسکتا ہے۔

روزانہ چار کھجوریں کھاکے کمزوری سے چھٹکارا حاصل کیا جاسکتا ہے۔

روزانہ پانچ بادام کھانے سے کینسر سے بچا جاسکتا ہے۔

اگر آپ اپنے ناک کا خیال رکھنا چاہتے ہیں

تو پودینہ کا استعمال کریں

گرم پانی پینے سے ہارٹ اٹیک اور بہت سے خطرناک بیماریوں کا سو٪100 فیصد علاج ممکن ہے۔

دوا کھانے کے فوراً بعد لیٹنے سے
پرہیز کریں۔

ادویات کا استعمال ٹھنڈے پانی
کے ساتھ مت کریں۔

اگر آپ اپنی آنکھوں کو بہترین رکھنا چاہتے ہیں

تو سونے سے پہلے اپنے پاؤں پر تیل سے مالش کریں

کال سننے کیلئے موبائل ہمیشہ بائیں
کان کے ساتھ لگائیں۔

روزانہ آٹھ گھنٹے سونے سے آپ کا دن
خوشگوار گزرتا ہے۔

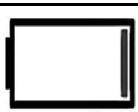

Low Battery

جب موبائل کی بیٹری ختم ہونے والی ہو تو
موبائل ہزار گنا زیادہ شعاعیں خارج کرتا
اس لئے اس دوران کال مت سنیں۔

نونہال ادیب

نونہال قلم کاروں کی تحریریں جو اُنہیں آگے چل کر یاد دلائیں گی کہ اُنھوں نے لکھنے کا آغاز کیسے کیا تھا

- طلحہ صادق، حیدر آباد
- تسبیحہ شکیل، سانگھڑ
- محمد سعد اسد، تونسہ شریف
- محمد حسیب، سکھر
- خنسہ محمد عقیل، لیاری
- رابعہ فاروق، ڈیرہ اسماعیل خان
- حافظہ حور لائبہ خداداد، کراچی
- شامل الدین وجیہ، کراچی
- عمار فاروق، ظاہر پیر
- ردا فاطمہ، سرگودھا

پاکستان سے محبت

طلحہ صادق، حیدرآباد

پاکستان سے محبت کا تقاضا یہ ہے کہ ہمارا جو بھی قدم اُٹھے، تعمیرِ پاکستان کے لیے اُٹھے۔ ہمیں اپنی آزادی پر فخر ہے۔ ہم نے اپنی آزادی کو کبھی فراموش نہیں کیا۔ ایک غلام قوم جب جدوجہد کر کے، جان جوکھوں میں ڈال کر، ایثار اور قربانیاں دے کر اپنی منزل پالیتی ہے، یعنی آزادی حاصل کرلیتی ہے تو اسے حریت کہتے ہیں۔ ہم نے پاکستان یقیناً محنت کر کے، عزائم بلند رکھ کر اور لاکھوں جانیں قربان کر کے بنایا ہے۔ ہم نے انگریز سے آزادی حاصل کر کے حریت کا پرچم بلند کیا ہے۔ اس پرچمِ سبز ستارہ و ہلال کو بلند رہنا چاہیے، لہراتے رہنا چاہیے۔

استاد اور طالب علم

تسبیحہ شکیل، سانگھڑ

استاد ایک ایسی شخصیت ہے، جو ایک بچے کو کام یاب انسان بناتا ہے۔ دینِ اسلام کے بارے میں استاد طالب علم کو یہ بتاتا ہے کہ وہ کون ہے، وہ کہاں سے آیا ہے، اسے کہاں جانا ہے، اس کا دنیا میں آنے کا مقصد کیا ہے، اس کا اصلی مالک کون ہے۔ استاد بچے کی شخصیت نکھارنے میں، اسے سنوارنے میں اور اسے مضبوط بنانے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ دنیا کے کسی بھی کام یاب شخص کی ترقی میں ماں باپ کے بعد استاد کا کردار سب سے اہم ہوتا ہے، اس لیے استاد کا درجہ سب سے بڑھ کر ہے۔ وہ طالب علم استاد کی نظر میں سب سے بڑھ کر ہوتا ہے جو عجز و انکساری اور اخلاقِ حسنہ کا

نمونہ ہو، کیوں کہ اسی طرزِ عمل سے کسی بچے کو مستقبل میں بلند مقام حاصل ہوتا ہے۔

وقت سے دوستی

محمد سعد اسد، تونسہ شریف

آج سالانہ امتحانات کے نتائج کا دن تھا۔ مجھے اُمید تھی کہ میں اول آؤں گا، مگر ہمیشہ کی طرح اس بار بھی میرا ہم جماعت سلمان بازی لے گیا۔ میں نے دوسری پوزیشن حاصل کی۔ سلمان میرا اچھا دوست تھا۔ پڑھائی کے ساتھ ساتھ کھیلوں میں بھی خوب حصہ لیتا۔ ساتھ ہی اچھا قلم کار بھی تھا۔ میں نے آج اس سے پوچھا: ''سلمان! تم ہر بار پوزیشن کس طرح لے لیتے ہو؟''

''دراصل میں نے وقت کو اپنا دوست بنالیا ہے اور وقت ہی مجھے کام یاب بناتا ہے۔'' اس نے مطمئن انداز میں جواب دیا۔

''کیا مطلب! وقت تمھارا دوست کیسے بن گیا؟'' میں نے پوچھا۔

سلمان نے بھرپور اعتماد سے جواب دیا: ''وقت میرا دوست ان باتوں کی وجہ سے ہے:

۱۔ میں نے اپنا ٹائم ٹیبل بنالیا ہے۔

۲۔ کھیل کے وقت کھیلنا بھی چاہیے، کیوں کہ یہ صحت کے لیے ضروری ہے۔

۳۔ پڑھائی کے وقت پوری دلجمعی اور توجہ سے پڑھنا۔

۴۔ کچھ وقت گھر کے دوسرے کاموں کے لیے بھی رکھتا ہوں۔

یہ ہیں وہ سب باتیں جن کی وجہ سے میں ہر میدان میں کام یاب ٹھہرتا ہوں۔''

میں نے اس کا بہت شکریہ ادا کیا: ''دوست! تمھارا بہت شکریہ۔''

''کوئی بات نہیں۔ ایک دوست کا فرض ہے دوسرے کی راہنمائی کرنا۔''

دوستو! میں نے تو جان لیا ہے کام یابی کا راز اور اب میں بھی اپنا ٹائم ٹیبل بناؤں گا۔ آپ بھی چاہیں گے کہ سلمان کی طرح کام یاب ہوں تو قدم بڑھایئے، ٹائم ٹیبل بنایئے اور اس پر عمل کیجیے۔ کام یابی آپ کی منتظر ہے، ان شاءاللہ۔

بہترین دوست

محمد حسیب، سکھر

حسن پانچویں جماعت کا طالب علم تھا اور جماعت کے ذہین لڑکوں میں اس کا شمار ہوتا تھا۔ اسے کتابیں پڑھنے کا انتہائی درجے کا شوق تھا۔

آج حسن جب جماعت میں داخل ہوا تو استاد سبق پڑھاتے ہوئے دوستوں کی خصوصیات بتا رہے تھے کہ اچھے دوستوں کی کیا کیا نشانیاں ہوتی ہیں مثلاً وہ اچھے مشورے دیتے ہیں۔ ہمیشہ ساتھ نبھاتے ہیں۔ بُرے وقت میں کام آتے ہیں۔ نیکی کرتے ہیں اور نیکی کرنے کی ترغیب دیتے ہیں اور ساتھ ساتھ استاد نے جماعت کے تمام طلبا کو گھر کا کام دیا کہ وہ کل دوست کے عنوان سے مضمون لکھ کر لائیں۔ جو سب سے اچھا مضمون لکھ کر لائے گا، اسے انعام دیا جائے گا۔

دوسرے دن جماعت کے تمام بچے دوست پر مضمون لکھ کر لائے کسی نے اپنے دوست پر مضمون لکھا کہ میرا دوست ایسا لڑکا ہے۔ نماز پڑھتا ہے اور پڑھنے کی ترغیب دیتا ہے۔ کاشف نے زاہد نامی دوست پر مضمون لکھا کہ زاہد کا جیسا نام ہے ویسا کام ہے۔ بہت پرہیز گار ہے وعدہ پورا کرتا ہے، خوش اخلاق ہے اور غریبوں کی مدد کرتا ہے۔

حسن کا مضمون سب سے الگ تھا۔ حسن نے لکھا: ''میرا کوئی ایک نہیں بلکہ بہت سارے دوست ہیں۔ یہ دوست میری کتابیں ہیں جو ہر موقع پر میری رہنمائی کرتی ہیں۔ جب مجھے کسی بات کا علم نہیں ہوتا، مجھے علم عطا کرتی ہیں۔ جب میں کچھ سوچتا ہوں تو میری سوچ کو حقیقت کا روپ دینے میں مدد کرتی ہیں۔ انسان کی خدمت کرنے کا درس دیتی ہیں۔ میرے دوستوں کی تعداد سیکڑوں میں ہے، جو سوتے وقت بھی میرے سرہانے ہوتی ہیں۔ ان دوستوں کی وجہ سے میں یہ مضمون لکھ سکا ہوں۔ وہ مجھ سے پیار کرتیں ہیں۔ میں ان سے پیار کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ میری اور ان کی دوستی

سلامت رکھے۔آمین

سرایاز نے جب حسن کا مضمون سنا تو حسن کو پاس بلا کر شاباش دی اور بہترین مضمون قرار دے کر ایک کتاب بطور تحفہ عنایت کی۔کتاب دیکھ کر حسن کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی، کیوں کہ اس کے دوستوں میں ایک اور اضافہ ہو گیا تھا۔

سستی کا نتیجہ

خنسہ محمد عقیل، لیاری

فہد ایک بہت ہی سست لڑکا تھا، جو کوئی بھی کام وقت پر نہیں کرتا تھا۔اس لیے اپنے اساتذہ سے بھی اور گھر میں بھی سب سے ڈانٹ کھاتا تھا۔امی ابو اور دادی، دادا سمجھا سمجھا کر تنگ آ گئے تھے، لیکن اس کی سمجھ میں کوئی بات نہیں آتی۔امی ہمیشہ سمجھاتی کہ ہر کام وقت پر کیا کرو، ورنہ تم کسی مشکل میں بھی پھنس سکتے ہو۔

ایک دن وہ باغ میں کھیل رہا تھا تو اسے ایسا لگا کہ اس کے پاؤں میں ہلکا ہلکا درد ہو رہا ہے، لیکن اس نے توجہ نہ دی اور دوبارہ کھیل میں مشغول ہو گیا۔جب گھر پہنچا تو تھکن سے بُرا حال ہو رہا تھا، اس لیے درد برداشت کر کے سونے کی کوشش کرنے لگا، اس پر سستی کی سی کیفیت طاری ہو گئی اور وہ سو گیا درد کی وجہ سے آنکھ کھل گئی اور وہ رونے لگا تو امی نے پوچھا: ''کیا ہوا فہد بیٹا! کیوں رو رہے ہو؟''

تو اس نے سب کچھ بتا دیا۔ابو اسے جلدی سے قریبی اسپتال لے گئے۔وہاں ڈاکٹر نے معائنہ کیا تو پتا چلا کہ کسی زہریلے کیڑے نے کاٹا ہے، جس کا زہر آہستہ آہستہ پھیل رہا ہے۔اگر کچھ دیر اور ہو جاتی تو ٹانگ کاٹنی پڑتی۔اب چھوٹا سا آپریشن کر کے زہر نکال دیا جائے گا۔

اب فہد کو احساس ہوا کہ اگر وہ سستی نہیں کرتا تو وہ آپریشن کی تکلیف سے بچ جاتا۔اس نے عہد کیا کہ اب وہ ہر بات پر توجہ دیا کرے گا اور ہر کام وقت پر کرے گا اور کبھی بھی سستی نہیں کرے گا۔

بیٹے کی ذہانت

رابعہ فاروق، ڈیرہ اسماعیل خان

عبدالصمد جاسوسی ناول بہت شوق سے پڑھتا تھا۔ اس کی چھٹی حس بھی تیز تھی۔ عبدالصمد اپنے ابو اور دادی کے ساتھ رہتا تھا۔

ایک دن عبدالصمد کے ابو اپنی والدہ کے علاج کے لیے بینک سے پچاس ہزار روپے نکلوا کر گھر لا رہے تھے۔ تو ایک لٹیرے کی نظر میں آ گئے۔ راستہ پر ہجوم تھا، اس لیے لٹیرے نے گھر تک ان کا پیچھا کیا۔ ابو نے پیسے لا کر اپنی الماری میں رکھے اور لاک لگا دیا اور چابی تکیے کے نیچے رکھ دی۔

آدھی رات کے وقت گھنٹی بجی۔ ابو دروازے تک گئے: ''کون ہے؟'' ابو نے پوچھا۔

لٹیرے نے عیاری سے جواب دیا: ''بھائی! میں ایک غریب آدمی ہوں۔ ایک ہوٹل میں برتن دھوتا ہوں۔ اب گھر جا رہا ہوں۔ مجھے بہت سخت سردی لگی ہوئی ہے۔ آپ کو اللہ کا واسطہ مجھے کوئی سوئٹر یا چادر لا دیں۔''

ابو یہ سن کر سوچ میں پڑ گئے۔

دادی نے کہا: ''نہ جانے کون ہے بس اس کو چلتا کرو۔''

اتنے میں لٹیرا پھر بولا: ''بھائی! میرا گھر شہر سے بہت دور ہے مجھے بہت سردی لگی ہے۔ مہربانی ہوگی، مجھے کوئی پرانی سی چادر دے دو، تاکہ میں پُرسکون طریقے سے گھر تک پہنچ جاؤں، ورنہ مجھے اندیشہ ہے کہ میں راستے میں گر پڑوں گا، کیوں کہ مجھے سردی کی وجہ سے بخار ہو گیا ہے۔''

یہ سن کر ابو کا دل پسیج گیا ابو اندر سے ایک بڑا سا گرم سویٹر اُٹھا کر لائے اور دروازہ تھوڑا سا کھول کر سویٹر آگے بڑھایا تو لٹیرے نے زور سے دروازے کو دھکا دیا اور اندر گھس آیا۔

''جلدی سے تمام روپے میرے حوالے کرو، ورنہ اگلے جہان پہنچا دوں گا۔'' لٹیرے نے ابو کی گردن پر خنجر رکھتے ہوئے کہا۔

ابو نے کمرے میں آ کر الماری کھولی تو دیکھا، اس میں پیسے نہیں تھے۔

عبدالصمد جو اسی کمرے میں بستر پر بیٹھا ہوا تھا، کہنے لگا: ''ابو جان! نعیم انکل کی بیٹی کی شادی کی تیاری ہے ان کے پاس پیسے نہیں تھے وہ اُدھار مانگنے آئے تو میں نے انھیں سارے پیسے دے دیے۔''

''لیکن بیٹا! اس وقت تو...'' ابو حیران ہو کر بولے۔

عبدالصمد نے ان کی بات کاٹ دی اور کہا: ''ہاں ابو وہ ابھی نعیم انکل گھنٹہ بھر پہلے ہی پیسے لے گئے ہیں۔ سوری میں نے آپ کی اجازت کے بغیر دے دیے۔''

ابو اس لیے حیران تھے کہ آج تو کوئی پڑوسی ان کے گھر نہیں آیا تو پھر یہ عبدالصمد کیا کہہ رہا ہے؟ بہرحال کچھ سوچ کر وہ خاموش ہو گئے۔

اُدھر لٹیرا یہ سن کر زیادہ حیران پریشان ہو گیا۔ بہر حال اس نے سارے گھر کی تلاشی لی، لیکن اسے کچھ نہ ملا۔ آخر غصے میں آ کر اس نے ابو سے کہا: ''جیب میں جو مال ہے، دے دو۔''

ابو نے اپنی جیب سے ساری نقدی نکال کر اسے دی جو تقریباً ۴۵۰ روپے اور کوئی قیمتی چیز گھر میں نہیں تھی۔ وہ چلا گیا۔

دراصل عبدالصمد نے جیسے ہی آدھی رات کے وقت دستک کی آواز سنی، اس کی چھٹی حس بیدار ہو گئی تھی۔ اس نے جلدی سے پچاس ہزار روپے الماری سے نکال کر لفافے میں رکھے اور اس لفافے کو فریج کے سبزی والے خانے میں ساری سبزیوں کے نیچے چھپا دیا۔

اس طرح اس کی چالاکی اور پھرتی سے اس کی دادی کے علاج میں کام آنے والے پیسے بچ گئے۔

اُصول کی کام یابی

حافظہ حور لائبہ خداداد، کراچی

''نعیم! اگر تم نے امتحان میں ہماری مدد نہ کی تو یہ تمھارے لیے بہت بُرا ہوگا۔'' اسلم نے غصے سے کہا اور نعیم کو گھورتا ہوا چلا گیا۔

اسلم ، نعیم کا ہم جماعت تھا، لیکن انتہائی نالائق طالب علم تھا اور ہمیشہ نقل کر کے پاس ہوتا تھا۔ اسلم کے ساتھ اس کے کئی نکمے دوست بھی تھے۔ اس مرتبہ بھی انھوں نے نہ سارا سال پڑھائی کی اور نہ اب امتحان کی تیاری کر رہے تھے۔ اس لیے اسلم نے نعیم سے کہا تھا کہ تم امتحان میں ہمیں نقل میں مدد دینا، لیکن نعیم نے انکار کر دیا تھا اور اسلم مدد نہ کرنے پر تلملا کر بُرے انجام کی دھمکیاں دے کر گیا تھا۔

نعیم اپنے گھر کی طرف جا رہا تھا۔ جیسے ہی وہ سڑک پار کر کے ایک گلی میں مڑا تو اسلم اور اس کے ساتھیوں نے اس پر حملہ کر دیا۔ اسلم نے نعیم کو گردن سے پکڑ کر زمین پر گرا دیا اور باقی سب نے مل کر اسے بہت مارا۔ اچانک سامنے سے تین چار آدمی آئے انھیں دیکھ کر اسلم اور اس کے ساتھی نعیم کو چھوڑ کر وہاں سے بھاگ گئے۔ ان لوگوں نے نعیم کو سہارا دے کر اُٹھایا۔ پھر نعیم گھر کی طرف چل دیا۔ نعیم کی یہ حالت دیکھ کر اس کی امی بہت پریشان ہوگئیں۔

''تمھاری یہ حالت کس نے کی ہے؟'' امی نے اسے بٹھاتے ہوئے پوچھا۔

''امی! اسلم اور اس کے ساتھی مجھے امتحان میں نقل کروانے پر مجبور کرنا چاہتے تھے۔'' نعیم بولا۔

''دیکھو بیٹا! اس طرح سے ان لڑکوں سے اُلجھنے میں کوئی فائدہ نہیں۔ تمھیں اپنے ٹیچر سے بات کرنی چاہیے۔'' امی نے کہا۔

دوسرے دن وہ اسکول پہنچا اور اپنے استاد سے کہا: ''سر! مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے۔''

''بولو بیٹا! کیا بات ہے۔'' سر نعمان نے کہا۔

پھر نعیم نے ساری بات ان کو بتائی۔

''ٹھیک ہے بیٹا! میں اس لڑکے کے بارے میں پرنسپل صاحب سے مشورہ کروں گا۔'' سر نعمان نے کہا۔

وقفے کے دوران استاد نے پرنسپل صاحب سے بات کی: ''سر! میں نے اس لڑکے کے بارے میں پوری معلومات لی ہیں۔ وہ انتہائی نالائق لڑکا ہے۔ بہتر یہی ہے کہ اسے اسکول سے نکال دیا جائے۔''

پرنسپل صاحب نے کہا: ''اس کو آخری موقع دے کر دیکھتے ہیں ویسے بھی امتحانات شروع ہونے والے ہیں۔ امتحانات میں بیٹھنے دیں پھر کوئی فیصلہ کریں گے۔''

امتحانات شروع ہو چکے تھے۔ انگلش کا پرچا تمام

طلبہ پوری توجہ سے امتحان دے رہے تھے۔ اچانک سرنعمان کی نظر اسلم کی جوابی کاپی پر پڑی جسے اندر سے کاغذ کے ٹکڑے نظر آ رہے تھے۔ انھوں نے فوراً اسلم سے کاپی لے لی اور اسے کلاس سے نکال دیا۔

امتحانات کے فوراً بعد اسلم کو اسکول سے نکال دیا گیا۔اس وقت نعیم کو بہت دکھ ہوا حال آ نکہ اسلم اور اس کے دوستوں نے اس کے ساتھ بہت بُرا سلوک کیا تھا۔

''سر! کن خیالات میں گم ہیں آپ کی چائے ٹھنڈی ہوگئی ہے۔ اپنے چپراسی کی آواز سن کر اچانک نعیم خیالات کی دنیا سے باہر آ گیا۔نعیم ایک بہت بڑا سرکاری افسر بن چکا تھا اور آج صبح آفس میں نئے صفائی کرنے والے کو دیکھا تو اسے اس کا چہرہ جانا پہچانا سا لگا اور جب نعیم نے اس سے نام پوچھا تو اس نے بتایا کہ اس کا نام اسلم ہے اور آج سے وہ یہاں صفائی کرنے آیا کرے گا۔آج اُصولوں کا پابند نعیم بہت بڑی پوسٹ پر تھا اور نقل کے سہارے چلنے والا اسلم اس کی آفس میں جھاڑو لگانے آیا تھا۔

صلۂ رحمی

شامل الدین وجیہ، کراچی

احسن صاحب ایک نجی کمپنی میں ملازمت کرتے تھے۔ان کی گزر بسران کی آمدنی میں آسانی سے ہوجایا کرتی تھی۔ ایک دن بہت افسوس ناک واقعہ پیش آیا کہ جب ان کے بڑے بھائی فضل اور ان کی بیوی ڈاکوؤں کے ہاتھوں قتل ہوکر اس جہاں سے چلے گئے۔

اب صورتِ حال مختلف ہوچکی تھی۔احسن صاحب کی آمدنی ان کا اور ان کے بھائی کے بچوں کا خرچہ نکالنے کے لیے ناکافی تھی۔ پہلا مہینا جیسے تیسے گزر ہی گیا، لیکن دوسرے مہینے ان کے حالات شدید ابتر ہوگئے۔اس پر ستم یہ کہ ان کی کمپنی کے مالک

نے منافع نہ ہونے کی وجہ سے وہ کمپنی بیچ ڈالی اور بے چارے احسن صاحب بے روزگار ہو گئے۔

ان کی بیوی ان کی رحم دل طبیعت کے برعکس نہایت بدمزاج خاتون تھیں۔ وہ پہلے ہی احسن صاحب کے بھائی کے بچوں سے تنگ تھیں، اب انھیں تو جیسے موقع ہی مل گیا۔ وہ احسن جاوید سے مخاطب ہوئیں: ''ارے دیکھ لی آپ نے اپنی مہمان نوازی کی کرامات اور کریں ان کی خدمتیں اور اب ان کی نحوست سے ہمارے گھر کا خرچ بند ہو گیا ہے۔ ارے میں تو کہتی ہوں کہ نکال باہر کرو ان منحوسوں کو۔'' وہ اپنی بات ختم کر کے چپ ہوئیں تو احسن صاحب نے انھیں بہت سمجھایا، مگر وہ نہ مانیں۔ آخر مجبور ہو کر انھوں نے ایک ہفتے بعد اپنے بھائی کے بچوں کو یتیم خانے چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا۔

ابھی اس واقعے کو تین ہی دن گزرے تھے کہ احسن صاحب کے بڑے بھتیجے اسلم کا میٹرک کا نتیجہ آ گیا۔ اس نے صوبے بھر میں پہلی پوزیشن لی تھی اور حکومت نے اسے انعام کے طور پر ۵۰,۰۰۰ نقد دینے کا اعلان کیا تھا۔ یہ اعلان سنتے ہی اسلم احسن صاحب کے پاس آ کر بولا: ''چاچو! پلیز یہ پیسے آپ رکھ لیجیے۔ آپ نے بہت مشکل حالات میں ہماری دیکھ بھال کی ذمے داری اُٹھائی ہے، اس لیے آپ انکار نہ کیجیے گا۔'' یہ سنتے ہی احسن صاحب آبدیدہ ہو گئے اور انھوں نے اپنی فیصلہ واپس لے لیا۔ بعد میں وہ پیسہ احسن صاحب نے اپنے بھتیجے کے بھرپور اصرار کے بعد لے لیا۔

جلدی ہی احسن صاحب کو پہلے سے بہتر ملازمت مل گئی اور ان کے حالات پھر سے بہتر ہو گئے۔

عقل مند نونہال

عمار فاروق، ظاہر پیر

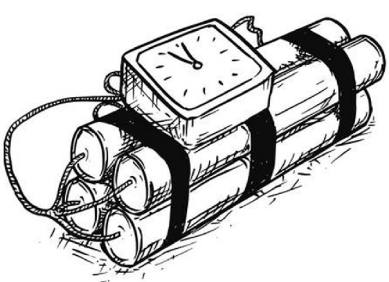

علی اور عمران جماعت پنجم کے طالب علم تھے۔ وہ بہت محنتی اور سمجھ دار لڑکے تھے۔ علی کی عمر تقریباً دس سال اور عمران کی عمر آٹھ سال تھی۔ دونوں ایک ہی گلی میں رہتے اور ایک ہی اسکول میں پڑھتے

تھے۔اسکول میں ان کی دوستی بہت مشہور تھی۔ایک مرتبہ وہ دونوں چھٹی کے وقت گھر کی طرف جارہے تھے۔ان کو راستے میں ایک لاوارث تھیلی پڑی ملی۔عمران نے تھیلی کو اُٹھانا چاہا،لیکن علی نے عمران کو تھیلی اُٹھانے سے منع کردیا۔

علی نے سوچا کہ دال میں کچھ کالا ضرور ہے۔اس نے کہا:''عمران! تمھیں یاد ہے ایک مرتبہ ہمارے استاد نے کہا تھا۔راستے میں کوئی لاوارث چیز پڑی ہوتو اسے نہیں اُٹھانا چاہیے۔

عمران نے کہا:''چلو چل کر تمھارے ابو سے بات کرتے ہیں۔''

وہ دونوں علی کے گھر چلے گئے۔علی نے تھیلی کے بارے میں اپنے ابو کو بتایا۔علی کے ابو نے فون اُٹھایا اور پولیس کو خبر دی۔تھوڑی دیر کے بعد پولیس اور بم ڈسپوزل اسکواڈ کی گاڑیاں آگئیں۔پولیس نے اس چوک پر ناکہ بندی کردی۔بم ڈسپوزل اسکواڈ ٹیم نے تھیلی میں پڑے بم کو ناکارہ بنادیا۔اگلے دن اخبار میں علی نے دیکھا تو یہ لکھا ہوا تھا:''شہر میں دہشت گردی کی بڑی واردات ناکام بنادی گئی۔''

علی نے اپنے ابو کو اخبار دکھایا تو بولے:''علی! یہ تمھارا اور تمھارے دوست عمران کا کارنامہ ہے۔اگر تمھاری طرح سارے بچے اپنے گردوپیش کی خبر رکھیں اور سمجھ داری سے کام لیں تو انسانیت کے دشمنوں کا خاتمہ ہوسکتا ہے۔

پیٹو خان

ردا فاطمہ،سرگودھا

ان سے واقف ایک جہان
یہ ہیں مسٹر پیٹو خان
مکتب میں جب جاتے ہیں
خوب یہ کھا کر آتے ہیں
آکر شور مچاتے ہیں
بھوک لگی ہے امی جان!
یہ ہیں مسٹر پیٹو خان
یہ ہیں مسٹر پیٹو خان

ورلڈ کپ کرکٹ کوئز

کے فاتحین کو مبارک باد

سب سے زیادہ اسکور کرنے والے تین نونہال

۱) عاطف ممتاز، چکوال ۲) شاز راحمد، راولپنڈی ۳) اریبہ ملک، مظفر گڑھ

کو کرکٹ کے مشہور قومی کھلاڑی کے دستخط کے ساتھ

تین بیٹ ۱۵ ستمبر سے پہلے بھجوا دیے جائیں گے۔

ادارہ

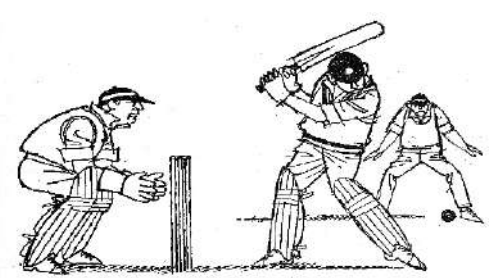

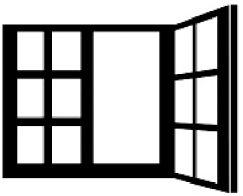

عِلم دریچے

مسلسل اور اچھا مطالعہ حصول علم کا بہترین ذریعہ ہے۔ مطالعہ کرتے ہوئے کوئی اچھی بات، کوئی اچھا قول، فکر انگیز مکالمہ، کوئی خوب صورت خیال نظر سے گزرے تو اسے اپنے علاوہ دوسروں کے لیے بھی محفوظ کر لیجئے۔ آپ جانتے ہیں ناں کہ علم کی تقسیم ہی علم کو ضرب دینے کے مترادف ہے۔ اپنی تحریر حوالہ کے ساتھ بھیجئے تاکہ اسے مستند سمجھا جائے۔

نعتِ رسولِ مقبولؐ

شاعر : اختر شیرانی

پسند : آفتاب خٹک، کرک

سحر دم رحمتِ حق کا یہ مستانہ پیام آیا
مبارک اہلِ ایماں کو کہ وہ خیرالانام آیا
زمین و آسمان بھی جس کے در پر سر جھکائیں گے
ہیں چرچے قدسیوں میں آج وہ عالی مقام آیا
جبینِ بندگی بے تاب ہے سجدے لُٹانے کو
الٰہی تیرے بندوں کی زباں پر کس کا نام آیا
مرے دل میں ہزاروں طُورِ سینا جگمگا اُٹھے
کچھ اس انداز سے دل میں ترا شوقِ تمام آیا
خدائی جس کے جلوؤں سے ہمیشہ جگمگائے گی
سبستانِ حرا کا آج وہ ماہِ تمام آیا
زباں چپ ہوگئی جب دل نے چھیڑا تذکرہ ان کا
دلوں کو وجد آیا جب زباں پر ان کا نام آیا
مزا جب ہے کہ جائیں خلد میں ہم اس طرح اخترؔ
کہیں حوریں، محمدؐ کا وہ مستانہ غلام آیا

ظلم سے نجات کی دعا

نام پتا نامعلوم

بغداد میں ایک بزرگ کا بہت چرچا تھا۔ حجاج بن یوسف کو اس سے ملنے کا اشتیاق ہوا۔ ایک روز اس نے انھیں بہت عاجزی سے اپنے پاس بلایا اور کہا: ''میرے لیے دعائے خیر کریں۔''
بزرگ نے فوراً ہاتھ اُٹھا کر کہا: ''یا اللہ! اسے موت دے۔''

حجاج بن یوسف نے غصے سے پوچھا: ''یہ کیا دعا ہوئی؟''

بزرگ نے جواب دیا: ''یہ دعائے خیر ہے، تیرے لیے بھی اور دوسروں کے لیے بھی۔''

حجاج بن یوسف نے پوچھا: ''وہ کیسے؟''

بزرگ نے بے خوفی سے کہا: ''تُو ظلم کرنے سے چھوٹ جائے گا اور دوسرے تیرے ظلم سے بچ جائیں گے۔''

قومی ترانے کی دُھن

سیدہ ہاجرہ ریحان، اسلام آباد

۱۹۵۰ء میں ایران کے بادشاہ کو پاکستان کے دورپر آنا تھا۔ اس وقت قومی ترانے کی کمی شدت سے محسوس کی گئی۔ چناں چہ حکومت نے شاعروں کو قومی ترانہ لکھنے اور موسیقاروں کو دُھن بنانے کو کہا۔ اتنے عرصے میں کوئی اچھا ترانہ تو سامنے نہ آ سکا، لیکن ایک مشہور موسیقار احمد غلام علی چھاگلا کی دُھن پسند کی گئی۔ شاہِ ایران کی آمد پر صرف دُھن ہی بجائی گئی۔ اس کے بعد شاعروں نے اس دُھن کے مطابق ترانے لکھ کر بھیجے جس میں سے جناب حفیظ جالندھری کا لکھا ہوا ترانہ بطورِ قومی ترانہ منتخب ہوا۔

اقولِ زریں

محمد حسان رضا سومرو، میرپور خاص

۱۔ غصہ وہ واحد حرام چیز ہے جسے پینا ثواب ہے۔

۲۔ جو دو گے وہی لوٹ کر آئے گا۔ پھول دو گے تو پھول ملیں گے اور کانٹے دو گے تو کانٹے ملیں گے۔

۳۔ دنیا کو جیتنا چاہتے ہو تو آواز میں نرمی پیدا کرو۔

۴۔ زبان کی حفاظت دولت کی حفاظت سے زیادہ مشکل ہے۔

۵۔ سب سے بہترین لقمہ وہ ہوتا ہے، جو اپنی محنت سے حاصل کیا جائے۔

۶۔ بڑوں کا ادب کیا کرو، ورنہ چھوٹے ہی رہ جاؤ گے۔

۷۔ ماں باپ کی نافرمانی موت سے پہلے موت کا اعلان ہے۔

آٹھ

محمد عبدالحماض، کراچی

معتصم باللہ عباسی میں کئی اوصاف تھے۔ انھیں مثمن بھی کہا کرتے تھے، کیوں کہ یہ آٹھویں عباسی خلیفہ تھے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے آٹھویں پشت سے تھے۔ خلیفہ ہارون الرشید کی آٹھویں اولاد تھے۔ ۲۱۸ ہجری میں تخت نشیں ہوئے اور آٹھ سال، آٹھ ماہ اور آٹھ دن خلافت کی۔ ۱۷۹ ہجری میں پیدا ہوئے اڑتالیس سال کی عمر پائی۔ ان کا ستارہ عقرب تھا جو کہ آٹھواں برج ہے۔ آٹھ فتوحات کیں اور آٹھ دشمنوں کو ہلاک کیا۔ ان کے انتقال کے وقت آٹھ بجے تھے۔ ماہِ ربیع الاول کے آٹھ دن باقی تھے کہ وفات پائی۔

یورنیم کیا ہے؟

فیجہ عمران پھُل، پھُل شہر

یورنیم سے ایٹمی توانائی حاصل کی جاتی ہے اور آج وہی ملک سب سے زیادہ طاقت ور مانا جاتا ہے جو سب سے زیادہ ایٹمی توانائی استعمال کرنے کی اہلیت رکھتا ہو۔ ایٹمی توانائی سے تباہی اور بربادی بھی پھیلائی جاسکتی ہے۔ ایک ایٹم بم سے چند سیکنڈ میں لاکھوں انسانوں کو فنا کیا جاسکتا ہے۔

ایٹمی توانائی کا دوسرا پہلو بہت فائدہ مند ہے۔ اس سے بہت سستی بجلی پیدا کی جاسکتی ہے۔ بجلی کی ضرورت روزز بہ روز بڑھتی جارہی ہے۔ ایندھن کے پرانے وسیلے ختم ہوتے جارہے ہیں۔ اس لیے ایٹمی توانائی سے بجلی پیدا کرنے اور اس بجلی کو مختلف مقاصد میں استعمال کرنے کی طرف بھرپور توجہ دی جارہی ہے۔ جن ممالک میں یورنیم خاصی مقدار میں ملتی ہے، ان میں کینیڈا، جنوبی افریقا اور روس قابلِ ذکر ہیں۔

انمول موتی

شایان احمد، نارتھ کراچی

☆ کم زور اور مظلوم کی حمایت کرنا بہترین نیکی ہے۔

☆ لوگ اپنی ضروریات پر غور کرتے ہیں، قابلیت پر نہیں۔

☆ اپنی غلطی مان لینا فراغ دلی کی علامت ہے۔

☆ سچ کبھی جھوٹ سے شکست نہیں کھاتا۔

☆ خدا کی نظر میں بلند وہ ہے، جس کے اخلاق بلند ہیں۔

☆ حوصلہ یہ نہیں دیکھتا کہ دیوار کتنی بلند ہے۔

☆ مانگو گے تو تمھیں دیا جائے گا، ڈھونڈو گے تو پاؤ گے۔

☆ علم ایسا بادل ہے جس سے رحمت ہی رحمت برستی ہے۔

☆ دنیا کو ایک گزرگاہ سے زیادہ اہمیت نہ دو۔

☆ چھوٹے کتنے ہی بڑے ہوجائیں، بڑوں سے ہمیشہ چھوٹے ہی رہتے ہیں۔

☆ ماننے والوں کے لیے ایک نصیحت بھی کافی ہے۔

☆ یہ مت دیکھو کون کہہ رہا ہے، یہ دیکھو کہ کیا کہہ رہا ہے۔

☆ خاموشی سے اچھی کوئی شے نہیں ہے۔

مکمل شریف انسان

پسند : عائشہ صدیق، عزیز آباد

مشہور ادیب شاہد احمد دہلوی اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ جگر مرادآبادی سے مختصر ملاقاتوں میں کبھی کبھی شعروشاعری پر بھی بات چل نکلتی۔ جگر صاحب باتیں خاصی معقول کرتے تھے۔ اوچھے پن کی حرکتیں نہیں کرتے تھے اور نہ ضرورت سے زیادہ بے تکلف ہوتے تھے۔

ان سے کبھی کسی کی بُرائی نہیں سنی اور نہ کبھی یہ سنا کہ کسی کو دھوکا دیا یا کوئی بے ہودہ بات کی۔ وہ صحیح معنوں میں ایک شریف النفس انسان تھے۔ کارڈ نیل نیومن نے شریف انسان کی تعریف یوں کی ہے کہ وہ کسی کو دُکھ نہیں پہنچاتا۔ جگر صاحب واقعی ایک مکمل شریف انسان تھے:

بہت چھوٹے ہیں مجھ سے مرے دشمن
جو میرا دوست ہے مجھ سے بڑا ہے

زبان پر قابو

روبینہ ناز، کراچی

شکاری ایک درخت کے نیچے آرام کر رہا تھا کہ ایک پرندہ چہچہانے لگا۔ اس نے فوراً تیر کمان اُٹھایا اور پرندے کو گرالیا۔ اُدھر سے ایک فلسفی گزر رہا تھا۔ وہ بول اُٹھا:

اگر یہ پرندہ زبان کو قابو میں رکھتا تو اس کا یہ انجام نہ ہوتا۔''

اشاعت سے معذرت

درجِ ذیل نونہالوں کو لکھنے کی مزید مشق کرنی چاہیے۔ بعض نونہال اپنا پورا پتا نہیں لکھتے، بعض تو اپنا نام تک نہیں لکھتے۔ ای-میل سے بھیجی گئی تحریریں ان پیج میں، بڑے فونٹ میں بھیجیں اور ان کے ساتھ ڈاک کا پتا ضروری ہے۔ بعض نونہالوں نے بہت باریک اور سطر چھوڑے بغیر کاغذ کے دونوں طرف لکھ دیا ہے۔ بعض نے فوٹو کاپی بھیجی ہے جو پڑھی نہ جاسکی۔ بعض نونہال کسی دوسرے کی تحریر نقل کر کے اپنے نام سے بھیج دیتے ہیں۔ یہ بُری بات ہے، چوری ہے۔ تحریر بھیجنے سے پہلے ''آپ کی تحریر کیوں نہیں چھپتی'' کا صفحہ ضرور پڑھیں جو ہر شمارے میں شامل ہوتا ہے۔

کہانیاں، مضامین (کراچی): اصلی ہیرو (سفیان فیصل)، بال پین، سنسان رات (سیدہ ماہم)، گھنی چھاؤں، ذرا نم ہو تو (صدف جاوید)، ایمان داری (آمنہ ظفر)، شکر الحمدللہ (صائمہ وزیر)، حرکت میں برکت ہے (محمد معیز انصاری)، پانی دیکھ کر پیو (حمنہ محمد عقیل شاہ)، شبنم کا تاج (شائستہ خان)، مہمان نوازی، جھوٹ (محمد جنید راؤ سرفراز)، نیکیوں کی سیل (شمیم سرفراز چوہان)، محمد فضیل جاوید ☆ **سکھر:** چھوٹی سی بات (مہرین فاطمہ)، اسلامی تاریخ کے مشہور سائنس داں (محمد حسیب) ☆ **حیدرآباد:** شکر (فضا بشام) فرعون اور چیونٹیاں (بشام بچانی) ☆ **ہری پور:** کچھوا اور خرگوش (ملک احمر نواز) ☆ **ٹنڈو الہیار:** قضائے آسمانی (مافیہ بتول) ☆ **میر پور خاص:** کچھ اقبال کے بارے میں (ایمن شاہد) ☆ **اسلام آباد:** ننھی چڑیا اور معاذ (عمیمہ صہیب) ☆ **واہ کینٹ:** ناقابل فراموش (مسفرہ امیر) ☆ **ٹیکسلا:** حقیقی نیکی (فاطمہ خان) ☆ **حسن ابدال:** معمولی بُرائی (رحمت علی) ☆ **فیصل آباد:** مریخ (عثمان عرفان)

نظمیں: کراچی: ہائے رے امتحان، نخریلی تتلی (وحیبہ خان)، میرا بستہ، ماں (جویریہ قریشی)، شرارتی چوہا (محمد جنید راؤ سرفراز) حکیم محمد سعید کا پیغام (شمیم سرفراز چوہان) خدا کی نعمت (عائشہ گل) گرمی شدت، برسات کا تماشا (سیدہ ماہم) ☆ **خان پور:** پاکستان، بہار آئی (سعید رضا) ☆ **اسلام آباد:** میرا گاؤں (عمیمہ صہیب) ☆ **حیدرآباد:** بھوک، حمد (مصباح محمد خالد)

☆ **نونہال مصور: کراچی:** (عفان احمد انصاری) ☆ **تصاویر:** شایان احمد، فاران احمد، نارتھ کراچی

ایک کہانی وعدہ کے عنوان سے موصول ہوئی، لیکن اس پر نہ نام لکھا ہے نہ پتا ہے۔

آدھی ملاقات

شامل اشاعت بیشتر خطوط ہمدرد نونہال جولائی ۲۰۱۹ء سے متعلق ہیں

جولائی کا شمارہ بہت اچھا تھا۔ بلاعنوان کہانی بہت زیادہ اچھی تھی اور دوسری تمام کہانیاں بھی اچھی تھیں۔

نرین بانو سلیم الدین، حیدرآباد

جاگو جگاؤ، پہلی بات، نام بوجھیے، نونہال ادیب، علم دریچے سمیت سب نظمیں سلسلے اور تمام تحریریں زبردست رہیں۔ بون اور سفرنامہ امریکا پسند آیا۔ ڈاکو پکڑے گئے پڑھ کر احساس ہوا کہ مما جانی گھر سے نکلتے وقت آیت الکرسی پڑھنے کی تاکید کیوں کرتی ہیں۔ مجرم جتنی بھی منصوبہ بندی کر لے آخر پکڑا جاتا ہے، یہ سبق نقلی مچھیرے سے حاصل ہوا۔ گیدڑ بھبکی میں گلہری کی ہمت پر حیرت ہوئی۔ کارگر تدبیر پڑھ کر اندازہ ہوا کہ اللہ ہر کام کے لیے وسیلہ بنا دیتے ہیں۔ شین شرارت سب سے زیادہ پسند آیا۔ نونہال مشاعرہ کا سلسلہ اچھا ہے۔ کچھوا سب سے اچھی تحریر رہی۔

اصبح احمد، میرپور

جولائی کا شمارہ ملا۔ سرورق کھیلتے بچوں سے مزین بہت اچھا لگا۔ تمام کہانیاں ایک سے بڑھ کر ایک تھیں۔ آپ کا سفرنامہ امریکا نہایت دل چسپ اور اچھا ہے۔ خوب صورت تصویروں نے اس کو چار چاند لگا دیا ہے۔ خاص نمبر سے میں نے اس کو پڑھنا شروع کیا۔ ماشاء اللہ بہت اچھا اور دل چسپ رسالہ ہے۔

رملہ شیخ، حیدرآباد

جولائی کا شمارہ بہت اچھا تھا۔ بلاعنوان انعامی کہانی بہت ہی اچھی تھی۔ شین شرارت بھی بہت اچھا انتخاب ہے۔ اسے پڑھ کر میں بہت ہی لطف اندوز ہوئی۔ کہانی نقلی مچھیرے بہت ہی دل چسپ اور عمدہ تھی۔ غرض جولائی کا پورا ہی رسالہ بہت اچھا تھا۔ انکل! میں مسلسل پانچ مہینوں سے نونہال بک کلب ممبرشپ بننے کے لیے درخواست کر رہی ہوں اب تک مجھے ممبرشپ کارڈ موصول نہیں ہوا ہے۔

ایمن شیخ، کراچی

جولائی کا شمارہ زبردست تھا۔ جاگو جگاؤ نے ہمیشہ کی طرح اچھا پیغام دیا۔ اس بار بلاعنوان کہانی سب پر بازی لے گئی۔ ڈاکو پکڑے گئے، کارگر تدبیر اور نقلی

مچھیرے بہترین کہانیاں تھیں۔شین شرارت بہت پسند آرہا ہے۔علم دریچے نے معلومات میں اضافہ کیا۔مختصراً یہ کہ شمارہ بہت پسند آیا۔

محمد احمد اسلم، کراچی

جولائی کے ہمدرد نونہال میں کہانیاں تو بہت اچھی اور لاجواب تھیں، لیکن آپ لوگوں نے جو ہمدرد نونہال کی ترتیب بدل دی ہے اس وجہ سے کچھ اچھا نہیں لگا۔ برائے مہربانی آپ لوگ پہلے جیسا ہمدرد نونہال بنادیں زیادہ تر کہانیوں میں تصویریں بھی ہوتی تھیں وہ ہمدرد نونہال زیادہ اچھا تھا۔

خمنہ محمد عقیل شاہ، لیاری، کراچی

ماہ جولائی کے سرورق کی تصویر کُشی بہت زبردست لی گئی، لیکن بیک گراؤنڈ دیکھ کر بہت افسوس ہورہا ہے۔''شہیدِ پاکستان'' جاگو جگاؤ کی باتیں بہت مفید اور گرہ میں باندھ لینے والی تھیں۔''سلیم مغل'' کی پہلی بات پڑھ کر آنکھیں نم ہوگئیں اور آپ سب کے لیے ڈھیروں دعائیں زبان پر جاری ہوئیں۔حمدِ باری تعالیٰ اور روشن خیالات بھی بہت عمدہ تھے۔طلباء کے لیے قائداعظم کا فرمان بہت اعلا تھا۔ ایسے جذبات رکھنے والے محسن انسان کی ہمیں، ہمارے وطن عزیز کو آج بہت ضرورت ہے۔تحریریں، کیوں کہتے ہیں اور جاپانیوں کی بون پڑھ کر معلومات میں اضافہ ہوا۔ بلاعنوان کہانی پرانی تھی، مگر اچھی بہت تھی۔ اس کے علاوہ تمام نظمیں، کہانیاں، علم دریچے، شین شرارت، ڈاکٹریات پڑھ کر چہرے پر مسکراہٹ آگئی۔ہم بچوں کے لیے پورا نونہال ہی ایک درس گاہ کی حیثیت رکھتا ہے۔نونہال ادیب اور نونہال مصور بچوں کی زبردست کاوش ہے۔ آدھی ملاقات میری پسندیدہ صفحہ ہے۔نعت پڑھ کر معلومات میں بہت اضافہ ہوا۔

اُمِ ایمن محمد عقیل شاہ، لیاری، کراچی

جولائی کا شمارہ لاجواب تھا۔ جاگو جگاؤ ہر بار کی طرح بہترین تھا۔کہانیاں ڈاکو پکڑے گئے اور گیدڑ بھبکی بہت پسند آئیں۔ بلاعنوان کہانی بھی بہت پسند آئی اور ڈاکٹریات پڑھ کر بہت مزہ آیا اور سب کہانیاں بہت پسند آئیں۔

فاطمہ توقیر، کراچی

ماہ جولائی کا شمارہ پڑھا۔ ہر بار کی طرح اس بار بھی نونہال کی تحریریں شان دار تھیں۔خاص نمبر کے بعد رسالے میں جو تبدیلیاں آئی ہیں وہ بہت زبردست ہیں۔ رسالہ بہترین ہوگیا ہے۔ اللہ پاک اسے بہت ترقی دے آمین۔

زنیر بن اشعر، رباب فاطمہ، حُر بن اشعر، کراچی

جوابات معلومات افزا -۲۸۳

جولائی ۲۰۱۹ء میں شائع ہونے والے معلومات افزا-**۲۸۳** کے درست جوابات ذیل میں لکھے جا رہے ہیں۔تمام درست جوابات دینے والے نونہالوں کی تعداد **۱۵** سے کم تھی، اس لیے ایک غلطی والے نونہالوں کے درمیان قرعہ اندازی کر کے **۱۵** نام پورے کیے گئے۔ان **۱۵** نونہالوں کو ایک ایک کتاب روانہ کی جائے گی۔باقی نونہالوں کے نام شائع کیے جا رہے ہیں۔

۱۔ قرآن مجید کے پہلے کاتب حضرت خالد بن سعید العاص تھے۔

۲۔ مسجدِ قبا اسلام کی سب سے پہلی مسجد ہے، جو حضورِ اکرمؐ نے تعمیر کرائی تھی۔

۳۔ قیامِ پاکستان کے بعد سب سے پہلا جاری ہونے والا اردو روز نامہ امروز تھا۔

۴۔ خالد بن یزید بن معاویہ کو عالم اسلام کا پہلا طبیب، سائنس داں اور کیمیا داں قرار دیا جاتا ہے۔

۵۔ گوئٹے کو جرمنی کا سب سے بڑا شاعر مانا جاتا ہے۔

۶۔ مادری زبان کا عالمی دن ہر سال ۲۱ فروری کو منایا جاتا ہے۔

۷۔ کرکٹ کے پاکستانی کھلاڑی ظہیر عباس سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔

۸۔ پی ٹی وی کا سب سے پہلا کوئز پروگرام بوجھو تو جانیں تھا۔

۹۔ اردو زبان کا ایک محاورہ یہ ہے: ''چودہ طبق روشن ہو جانا''

۱۰۔ آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر کے اس شعر کا دوسرا مصرع اس طرح درست ہے:

بات کرنی مجھے مشکل کبھی ایسی تو نہ تھی　　جیسی اب ہے تری محفل کبھی ایسی تو نہ تھی

قرعہ اندازی میں انعام پانے والے پندرہ خوش قسمت نونہال

☆کراچی: سیدہ ناہید نرگس، حریم خان، سیدہ سالکہ محبوب، سیدہ عفان علی جاوید، سید یزدان جواد، سیدہ جویریہ جاوید، سید شہظل علی اظہر، طٰہٰ ندیم، رباب فاطمہ☆حیدرآباد: مریم بنتِ کاشف، ماہ رُخ، عائشہ ایمن عبداللہ، محمد یوسف قریشی ☆تلہ گنگ: محمد حسان عبداللہ☆مظفر گڑھ: احمد خان لغاری۔

۹ درست جوابات بھیجنے والے سمجھ دار نونہال

☆ کراچی: سیدہ مریم محبوب، سید یشل علی اظہر۔

۸ درست جوابات بھیجنے والے علم دوست نونہال

☆ کراچی: محمد عاقب مصطفیٰ، وردہ مصطفیٰ، ایمن ناز، وایینا جنید، ہما امانی، ماہم شاد، یمنیٰ شیخ، ماریہ مقیم، ہُدیٰ ملک ☆ لاہور: حفصہ سجاد، رامین سجاد، اُسامہ ضیا ☆ راولپنڈی: ہانیہ نور بٹ ☆ کالا گجراں: سیماں کوثر ☆ ٹوبہ ٹیک سنگھ: سعدیہ کوثر مغل ☆ حیدرآباد: فرخ ضیاءالدین۔

۷ درست جوابات بھیجنے والے ذہین نونہال

☆ کراچی: علینا اختر، رجاجہ راحمین، حسان خالد، عزیر اسلم، سعد بن ضیا ☆ ڈیرہ غازی خان: رفیق احمد ناز ☆ لاہور: حنا نعمت ☆ ملتان: سید شہود سبزواری ☆ حیدرآباد: سعد محمود، انوشہ بانو سلیم الدین، مشعل بن عدنان۔

۷ درست جوابات بھیجنے والے محنتی نونہال

☆ کراچی: کبشہ ادریس، فاطمہ توقیر، عبدالباسط وسیم، محمد مزمل صدیقی، رابیعہ صدیقی، حافظہ حور لائبہ خداداد ☆ لاہور: ولید اشرف۔

بلاعنوان کہانی کے انعامات

ہمدرد نونہال جولائی ۲۰۱۹ء میں محترم صوفی تبسم کی بلاعنوان انعامی کہانی شائع ہوئی تھی۔ اس کہانی کے بہت اچھے اچھے عنوانات موصول ہوئے۔ کمیٹی نے بہت غور کرنے کے بعد تین اچھے عنوانات کا انتخاب کیا ہے، جو تین نونہالوں نے مختلف جگہوں سے بھیجا ہے۔

۱۔ راہِ حق کا مسافر : تحریم اسلم، کراچی

۲۔ نیکی کا سفر : سید یشل علی اظہر، کراچی

۳۔ غیبی مدد : حفضہ سجاد، لاہور

﴿ چند اور اچھے اچھے عنوانات یہ ہیں ﴾

حجِ مقبول۔ نیکی کا بدلہ۔ کر بھلا ہو بھلا۔ عبادت کے رنگ

قدرت کا انعام۔ امانت۔

ان نونہالوں نے بھی ہمیں دل چسپ عنوانات بھیجے

☆ کراچی: سیدہ جویریہ جاوید، سید عفان علی جاوید، سید شہظل علی اظہر، سیدہ مریم محبوب، سیدہ سالکہ محبوب، انعم احمد، ماریہ مقیم، وردہ مصطفیٰ، محمد عاقب مصطفیٰ، سیدہ مسکان ندیم علی، محمد احمد اسلم، سیدہ ناہید نرگس، حسان خالد، محمد زبیر احمد، محمد ناصر علی، محمد صادق، محمد حسن وقاص، عدنان اسلم، غلام محمد سرور، محمد عباس زاہد، انس خان، محمد شاہد، فہد خان، عادل اسیر خاران، غلام محمد دلاور، بہادر، محمد عمید اللہ خان، فضل سلیمان خان، اعجاز احمد، آصف علی، عبید سردار، ایمن ناز، خنسہ محمد عقیل شاہ، حافظہ حوریہ لائبہ خداداد، سیدہ فاطمہ شعیب، رابیعہ صدیقی، محمد مزمل صدیقی، ہُدیٰ ملک، طٰہٰ ندیم، واینا جنید، فاطمہ ناہید، رادبشیر، فاطمہ عاطف، محمد حمزہ، فاطمہ توقیر، محمد مشاہد حسین صدیقی، حافظہ عروبہ مرسلین، سید یردان جواد، آمنہ بختاور، رُباب فاطمہ، علینا اختر، کبشہ ادریس، اقصیٰ شیخ، ایمن شیخ ☆ حیدرآباد: ماہ رُخ، مشعل بنتِ عدنان، محمد یوسف قریشی، انوشہ بانو سلیم الدین، سعد محمود، عائشہ ایمن عبداللہ، طٰہٰ یاسین، مناہل عنایت ☆ لاہور: رامین سجاد، حنا نعمت ☆ صادق آباد: امبر شبیر ☆ راولپنڈی: زہرا نور بٹ ☆ ملتان: سیدہ شہود سبزواری ☆ ڈیرہ غازی خان: رفیق احمد ناز ☆ تلہ گنگ: محمد حسان عبداللہ ☆ نواب شاہ: ثانی زہرہ ☆ سکھر: حورالعین زہرہ۔

خالق دیناہال

1906 میں کراچی کی سماجی اور ثقافتی تقاریب کے انعقاد کے لیے بندر روڈ موجودہ ایم اے جناح روڈ پر ایک ہال تعمیر کیا گیا جس پر تقریباً 33000 روپے لاگت آئی۔ اس میں 18000 روپے کی رقم سندھ کی ایک مخیّر شخصیت غلام حسین خالق دینا کے اہل خانہ کی جانب سے عطیہ تھا جبکہ بقیہ 15000 روپیہ کی رقم کراچی میونسپلٹی نے خرچ کی بعد ازاں اس ہال کو مرحوم غلام حسین خالقدینا کے گھر والوں کی خواہش پر خالق دیناہال رکھا گیا۔ اس ہال میں حکومت برطانیہ نے مورخہ 26 دسمبر 1921 کو مولانا محمد علی جوہر اور ان کے بھائی مولانا شوکت علی، مولانا حسین احمد مدنی، ڈاکٹر سیف الدین کچلو، مولانا نثار احمد کانپوری، پیر غلام مجدد سرہندی اور سوامی شنکر اچاریہ پر بغاوت کا مقدمہ چلایا تھا اور انہیں دو دو سال کی سزا سنائی گئی۔ خالق دینا ہال کو مقدمے کے اس تاریخی واقع نے بڑی شہرت عطا کی۔ مقدمے کی کاروائی کے دوران مولانا محمد علی جوہر سے جج نے مخاطب ہو کر کہا ''تم اپنے موقف کی حمایت میں کوئی گواہ پیش کر سکتے ہو؟'' اُس پر مولانا نے وہیں کھڑے کھڑے ایک شعر کہا بھی اور سنا بھی دیا۔ یہ شعر آج بھی خالق دینا ہال کی دیوار پر نصب سنگ مرمر کے پتھر پر کندہ ہے۔ شعر یہ تھا...

ہم کو خود شوق شہادت ہے گواہی کیسی .... فیصلہ کر بھی چکو مجرم اقراری کا

نونہال لغت

سامع	س ا م ع	سننے والا، حاضر کردہ۔	
پھیل	پ ھ ی ل	مذلی، بھدی، بدصورت، بے ہودہ۔	
کایا	ک ا ی ا	جسم، بدن، صورت، ڈیل ڈول۔	
پنپنا	پ ن پ ن ا	پھلنا پھولنا۔	
حواس	ح و ا س	عقل، ہوش، سمجھ۔	
رشتہ	ر ش ت ہ	کچی، غیر پختہ، ایسی ہڈی کا ٹوٹا جس میں ہڈی پھر جڑ جائے۔	
تخم	ت خ م	کرداروں پر مبنی کہانی کا آغاز۔	

رتن	ر ت ن	بیش قیمت، ہیرا، جواہر، بیش بہا چیز۔	
ظلمت	ظ ل م ت	غیر، تاریکی، اندھیرا، ظلم، ستم، برائی، ناانصافی۔	
زخمہ	ز خ م ہ	ستار وغیرہ کو بجانے کا آلہ، مضراب، ستار کا پرزہ۔	
سیاست	س ی ا س ت	حکومت، ریاست، ملک کے انتظام کے طریقے، ملک کا نظم و نسق۔	
احسان	ا ح س ا ن	ملائی، جمع، مجموعہ، ڈھیر، حاصل۔	
ایندھن	ا ی ن د ھ ن	جلانے کی لکڑی، کوئلہ وغیرہ۔	
تھمسان	ت ھ م س ا ن	لڑائی، جنگ، ہنگامہ، گھمسان کا رن، لڑائی۔	

نقل وحمل	نَ قْ لو حَ مْ ل	اُٹھانا اور لے جانا۔ بار برداری۔ اُٹھالے جانے کا کام۔
والی	وَ ا لِی	مالک۔ آقا۔ سردار۔ حاکم۔ بادشاہ۔ سرپرست۔ محافظ۔ نگہبان
مہد	مَ ہْ د	گہوارہ۔ پنگوڑا۔ ہنڈولا۔ جھولنا۔ بستر۔ بچھونا۔
لحد	لَ حْ د	قبر۔ مزار۔ تربت۔ گور۔
یاور	یاَ وَ ر	مدد کرنے والا۔ حمایتی۔ دوست۔ یار۔
داور	دَ ا وَ ر	منصف۔ عادل۔ جج۔
پیش قدمی	پے شْ قَ دْ مِی	بڑھ کر کام کرنا۔ سبقت۔ پہل کرنا۔
وجد	وَ جْ د	بے خودی کی حالت۔ حال۔ جذبہ۔ بے اندازہ خوشی۔
نام زد	نَا مْ زَ د	موسوم۔ مامور۔ مقرر۔ مشہور۔
فراست	ف رَ ا سَ ت	دانائی۔ عقل مندی۔ قیافہ۔ سمجھ داری۔
ازالہ	اِ زَ ا لَہ	زائل کرنا۔ دور کرنا۔ ہٹانا۔ مٹانا۔
خلف	خَ لَ ف	جانشین۔ قائم مقام۔ وارث۔ بیٹا۔
ملاحت	مَ لَا حَ ت	نمکین ہونا۔ شور ہونا۔ سانولا رنگ۔
تدبر	تَ دَ بْ بُ ر	غور کرنا۔ انجام سوچنا۔ عاقبت اندیشی۔ عقل۔ سمجھ۔
تسخیر	تَ سْ خِی ر	تابع کرنا۔ فرماں بردار کرنا۔ گھیرنا۔ محاصرہ کرنا۔ کسی کا دل اپنی طرف مائل کرنا۔ جن یا پری کو قابو میں کرنا۔ قید کرنا۔
خلد	خُ لْ د	ہمیشہ رہنے والی چیز۔ بہشت۔ فردوس۔ جنت۔
مبصر	مُ بَ صْ صِ ر	دیکھنے والا۔ بینا۔ پرکھنے والا۔ صلاح کار۔